

الْفَرْزَنْدِيَّةِ
مُسْكُنِ الْعَزَّانِ

آذْنَفَانْ

(۸)



الأَكْفَال

زمانہ نزول | یہ سورہ سیسہ بھری میں جنگ بدرو کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس میں اسلام و کفر کی اس پہلی جنگ پر فصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ جہاں تک سورہ کے مضمون پر خور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے، غالباً ایک ہی تقریر ہے جو ایک وقت نازل قریاتی گئی ہوگی، مگر ممکن ہے کہ اس کی بعض آیات جنگ بدرو ہی سچے میداشدہ مسائل کے تعلق بعد میں اتری ہوں اور پھر ان کو سلسلہ تقریر میں مناسب جگہوں پر درج کر کے ایک سلسلہ تقریر بنادیا گیا ہو۔ بہر حال کلام میں کہیں کوئی ایسا بوجو نظر نہیں آتا جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ یہ الگ الگ دونین خطبوں کا مجموعہ ہے۔

تاریخی پس منظر | قبل اس کے کہ اس سورہ پر تبصرہ کیا جائے، جنگ بدرو اور اس سے تعلق رکھنے والے حالت پر ایک تاریخی نگاہ دال لینی چاہیے۔

نبی صل اللہ علیہ وسلم کی دعوت ابتدائی دس بارہ سال میں، جبکہ آپ صکھ مuttleہ میں مقیم تھے، اس چنیت سے اپنی پنچلی و استواری ثابت کر چکی تھی کہ ایک طرف اس کی پشتہ پر ایک یمنی سیرت، عالی طرف اور دشمنہ علمبردار موجود تھا جو اپنی شخصیت کا پورا سرایہ اس کام میں لگا چکا تھا اور اس کے طرز عمل سے یہ حقیقت پوری طرح نمایاں ہو چکی تھی کہ وہ اس دعوت کو انتہائی کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لیے اس ارادہ ملکتا ہے اور اس مقصد کی راہ میں ہر خطرے کو انکیز کرتے اور ہر شکل کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے دوسرا طرف اس دعوت میں خود اپنی شخصیت کو اپنے دلوں اور دماغوں میں سراہیت کرتے چلی جا رہی تھی اور جمالت و جاہلیت اور تعصبات کے حصہ اس کی راہ روکنے میں ناکام ثابت ہو رہے تھے۔ اسی وجہ سے عرب کے پرانے نظام جاہل کی حمایت کرنے والے عناصر، جو ابتداء اس کو استحقاقات کی نظر سے دیکھتے تھے، اسی دور کے آخری زمانہ میں اسے ایک سمجھیدہ خطرہ سمجھنے لگے تھے اور اپنی پورا نازل و لامسے کچل دیئے میں صرف کردینا چاہتے تھے۔ لیکن اس وقت تک چند چنیات سے اس دعوت میں بہت کچھ کسر باقی تھی:

اولاً، یہ بات ابھی پوری طرح ثابت نہیں ہوئی تھی کہ اس کو ایسے پیروں کی ایک کافی تعداد ہے، پہنچ گئی ہے جو صرف اس کے ماننے والے ہی نہیں ہیں، بلکہ اس کے اصولوں کا سچا عشق یعنی روکنے ہیں، اس کو غالب و ناگذرنے کی سی میں اپنی ساری قوتیں اور اپنا تمام سرایہ زندگی کی پیادی کے لیے تیار ہیں، اور اس کی خاطر اپنی برہنہ قربان کر دیئے کے لیے، دنیا بھر سے روحانیت کے لیے جو اکاپنے عزیز ترین شرتوں کو بھی کافی پہنچنے کے لیے آمادہ ہیں۔ اگرچہ کہ میں پیروں اور اسلام نے قربیش کے ظلم و تمہیر داشت کر کے

پنی صداقت ایمان اور اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کی مضمبو طلی کا چھاخا خاصاً ثبوت دے دیا تھا، مگر ابھی بیٹھا بت ہونے کے لیے بہت سی آزمائشیں باقی خیسی کو دعوتِ اسلامی کو جانفرہش پیرودوں کا وہ گروہ میسر آگیا ہے جو اپنے فصیبِ العین کے غابہ میں کسی چیز کو بھی عزیز نہیں رکھتا۔

شاید اس دعوت کی آواز اگر چہ سارے ملک میں پھیل گئی تھی، لیکن اس کے اثرات منتشر تھے، اس کی قراہم کردہ قوت سارے ملک میں پڑا گندہ تھی، اس کو وہ اجتماعی طاقت دہم نہ پہنچی تھی جو پرانے ہوئے نظامِ جامیت سے فیصلہ کرنے کے لیے ضروری تھی۔

نانا، اس دعوت نے زمین میں کسی جگہ بھی جڑ انہیں پکڑتی تھی بلکہ ابھی تک وہ صرف ہوا میں صراپ کر رہی تھی۔ بلکہ کاؤنٹی خبطہ ایسا نہیں تھا جہاں وہ قدم چما کر اپنے وقت کو مضمبو طکر تی اور پھر اگے بڑھنے کی سعی کرتی۔ اس وقت تک جو مسلمان جہاں بھی تھا اس کی حیثیت نظامِ کفر و شرک میں بالکل ایسی تھی جیسے خالی عددے میں گنجائی کر معدہ بر وقت اسے اگل دیشے کے لیے زور لگا رہا ہوا اور قرار پکڑنے سے پہلے اس کو جگہ بھی نہ ملتی جو۔

رابعاً، اس وقت تک اس دعوت کو مغلی زندگی کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے کر چلانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ نہ یہ اپنا تمدن قائم کر سکی تھی۔ نہ اس نے اپنا نظامِ حیثیت و معاشرت اور نظامِ سیاست مہبہ کیا تھا اور نہ دوسری طاقتیوں سے اس کے معاملات صلح و جنگ پہنچ آئے تھے۔ اس لیے نہ تو ان اخلاقی اصولوں کا مظاہرہ ہو سکا تھا جن پر یہ دعوت زندگی کے پورے نظام کو قائم کرنا اور جاننا پا جاتی تھی، اور نہ بھی بات آزمائش کی کسوٹی پر بھی طرح نمایاں ہوئی تھی کہ اس دعوت کا ہی پیغمبر اور اس کے پیرودوں کا گردہ جس چیز کی طرف دنیا لو دعوت دے رہا ہے اس پر عمل کرنے میں وہ خود کس حد تک راستیا رہے۔

بعد کے واقعات نے وہ موقع پیدا کر دیے جن سے یہ چاروں کیاں پوری ہو گئیں۔

عملی دور کے آخری نہیں چار سالوں سے پہلے میں آفتابِ اسلام کی شعاعیں مسلسل پہنچ رہی تھیں اور وہاں کے لوگ متعدد وجوہ سے عرب کے دوسرے قبیلوں کی بُنیَّت نریا وہ آسانی کے ساتھ اس روشنی کو قبول کرتے چاہئے تھے۔ آخر کار نہیں تھے کہ بارہ صوریں سالِ حج کے موقع پر ۵۰۰۰ نفوس کا ایک وفد بھی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی تاریکی میں ملا اور اس نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کیا بلکہ آپ کو اور آپ کے پیرودوں کو اپنے شہر میں جگہ دیں یہ پیغمبرِ سلامی آمادگی ظاہر کی۔ یہ اسلام کی تاریخ میں ایک انقلابی موقع تھا جسے خدا نے اپنی عنایت سے فراہم کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پڑھا کر پکڑ لیا۔ اہل پیغمبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے نائب اور اپنے امام و فرمازدا کی حیثیت سے بنا رہے تھے۔ اور اسلام کے پیرودوں کو ان کا بلا و اس لیے نہ تھا کہ وہ ایک اجنبی سر زمین میں محض حماجر ہونے کی حیثیت سے جگہ پالیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ عرب کے مختلف قبائل اور خانوں میں جو

مسلمان منتشر ہیں وہ شیرب میں جمع ہو کر اور شیرب مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک منظم معاشرہ بنالیں۔ اس طرح شیرب نے دراصل اپنے آپ کو "مدينة الاسلام" کی جیشیت سے پیش کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کر کے عرب میں پہلا وار الاسلام بنالیا۔

اس پیش کش کے معنی جو کچھ تھے اس سے اہل مدینہ نادائق نہ تھے۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ ایک چھوٹا سا قبیلہ اپنے آپ کو پورے ملک کی تلواروں اور رعائی و تندی فی باہبکاث کے خواب میں پیش کر رہا تھا جسنا پچھے بیعت عقبیہ کے موقع پر رات کی اس مجلس میں اسلام کے ان اولین مدحکاروں (الفصاء) نے اس شیخو جو خوب اچھی طرح جان بوجہ کرنی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔ عین اس وقت جبکہ بیعت ہو رہی تھی، شیربی و فدر کے ایک نوجوان رکن اسعد بن زرارة نے اجو پورے و فدیں سب سے کم سن شخص تھے، اُمّهہ کہ کہا:-

سَوْدَى إِيَّا أَهْلَ يَثْرَبٍ إِنَّا لَنَضْرِبُ إِلَيْهِ أَكْبَادَ الْأَبْلَلِ إِلَّا وَنَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّهُ
رَسُولُ اللَّهِ وَإِنَّ اخْرَاجَهُ إِلَيْهِ مِنَ الْأَقْوَاعِ لِلْعَرَبِ كَافِةً، وَقُتْلَ خِيَارَكُمْ وَنَعْصَمُ
السَّيُوفَ. فَآمَّا أَنْتُمْ قَوْمٌ تَصْبِرُونَ عَلَى ذَلِكَ فَخُذُوهَا وَاجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَآمَّا أَنْتُمْ
قَوْمٌ تَخَاغُونَ مِنْ أَنفُسِكُمْ خِيفَةً فَذَرُوهَا فَبِيَنِوا ذَلِكَ فَهُوَ عَذَّرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ۔

"شیرب اسے اہل شیرب ہم لوگ جو ان کے پاس آئے ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور آج انھیں بیان سے نکال کر لے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لیتا ہے۔ اس کے شیخوں میں تھاڑے نو نہال قتل ہوں گے اور تلواروں نم پر بیٹھیں۔ لہذا اگر تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر رپاتے ہو تو ان کا ہاتھ پکڑو اور اس کا اجرالشد کے ذمہ ہے۔ اور اگر تھیس اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر چھپوڑا اور صان حمان غدر کر دو کیونکہ اس وقت غدر کر دینا خدا کے نزدیک زیادۃ قابوں قبواں ہو سکتا ہے۔"

اسی بات کو و فدر کے ایک دوسرے شخص بیاس بن عبادہ ہن نضد نے دوبرا یا:-

أَنْلَمُونَ عَلَامُ تَبَاعِيُّونَ هَذَا الرَّجُلُ؛ (قَالُوا نَعَمْ، قَالَ) إِنَّكُمْ تَبَاعِيُونَهُ عَلَى
حُبِ الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ مِنَ النَّاسِ۔ فَإِنْ كُنْتُمْ تَرَوْنَ إِنَّمَّا إِذَا نَهَكْتُ أَمْوَالَهُمْ مَصِيبَةٌ
وَأَشْرَافُهُمْ قُتْلًا أَسْلَمُتُمُوهُ فَمِنَ الْأَنْفُسُ دُعْوَةٌ فَهُوَ وَاللَّهُ أَنْ فَعَلْتُمْ خَرَقَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَإِنْ كُنْتُمْ تَرَوْنَ إِنَّكُمْ دُافُونَ لَهُ بِمَا دَعَوْتُمُوهُ إِلَيْهِ عَلَى نَهَكَةِ الْأَمْوَالِ وَقُتْلِ الْإِشْرَافِ
فَخُذُوهَا، فَهُوَ وَاللَّهُ خَيْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

"جانستے ہو اس شخص سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو تو آوازیں، ہاں جانتے ہیں تم اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے دیبا بھر سے رُدائی مول لے رہے ہو پس اگر تمھارا جیاں یہ ہو کہ جب تمھارے مال تباہی کے اور تمھارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دگئے تو ہمتر ہے کہ



آج ہی اسے چھپوڑ دیکیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسوانی ہے اور اگر تھارا ارادہ یہ ہے کہ جو بیان و اقامت اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کے باوجود نہایت ہو گے تو یہ شک اس کا ہاتھ نہام لو کہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے ۔

اس پر تمام و قد نے بالاتفاق کیا فاتا نا خدا علی مصیبۃ الاموال و قتل الاشراف ۔

”ہم اسے کر اپنے اموال کو تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لیے نیاریں“
تب وہ مشہور بیعت واقع ہوئی جسے تاریخ میں بیعت عقبیۃ ثانیہ کہتے ہیں ۔

دوسری طرف اہل مکہ کے لیے یہ معاملہ جو معنی رکھتا تھا وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہ تھا ۔ دراصل اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، جن کی زیر دست شخصیت اور غیر معمولی قابلیتوں سے قربیش کے لوگ واقف ہو چکے تھے، ایک مُھکما نامیسرا رہا تھا۔ اور ان کی قیادت و رہنمائی میں پیر و ان اسلام، جن کی عزیمت و استقامت اور قدایت کو بھی قربیش ایک حد تک آزمائچکے تھے، ایک منظم جمٹھ کی صورت میں جمع ہو گئے جاتے تھے سی رہنماء نظام کے لیے موت کا پیغام تھا۔ نیز مدینہ جیسے مقام پر مسلمانوں کی اس طاقت کے جمیع ہونے سے قربیش کو مزید خطرہ یہ تھا کہ میں سے شام کی طرف جو تجارتی شاہراہ ساحل بحراً محمر کے کنارے کنارے جاتی تھی، جس کے محفوظار ہنسنے پر قربیش اور دوسرے بڑے بڑے مشترک قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا وہ مسلمانوں کی زدیں آجائی تھی اور اس شہرگ پر باقاعدہ ڈال کر مسلمان نظامِ جاہل کی زندگی و خوار کر سکتے تھے۔ صرف اہل مکہ کی وہ تجارت جو اس شاہراہ کے بل پر چل رہی تھی ڈھائی لاکھ اشتری سالانہ تک پہنچتی تھی۔ طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے مساوا تھی ۔

قربیش ان نتائج کو خوب سمجھتے تھے۔ جس رات بیعت عقبیہ واقع ہوئی اسی رات اس معاملہ میں اہل مکہ کے کافوں میں پڑی اور پڑتے ہی مکبلی مج گئی۔ پہلے تو انہوں نے اہل مدینہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توزنے کی کوشش کی پھر جب مسلمان ایک ایک دو دو کر کے مدینہ کی طرف بھرت کرنے لگے اور قربیش کو یقین ہو گیا کہ اب محمد بھی دنیا منتقل ہو جائیں گے تو وہ اس خطرے کو روکنے کے لیے آخری چارہ کار اخیار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ بھرت بھوی سے چند ہی روز پہلے قربیش کی مجلس شوریٰ متعقد ہوئی جس میں بڑی ردود کر کے بعد آخر کار بہ طے پائیا کہ بنی ہاشم کے سواتمام خانوادہ ہائے قربیش کا ایک ایک آدمی چھانٹا جائے اور یہ سب لوگ مل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کریں تاکہ بنی ہاشم کے لیے نام خاندانوں سے تنہائی مشکل ہو جائے اور وہ انتقام کے بجاۓ خونہما فسوں کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ لیکن نہ کافے فضل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عتماد علی اللہ و حسن ندیر سے اُن کی یہ چال ناکام ہو گئی اور حضور نبی پیغمبر مسیح گئے۔ اس طرح جب قربیش کو بھرت کے روکنے میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے مدینہ کے سردار عبد اللہ بن اُبی کو دیے بھرت سے پہلے اہل مدینہ اپنا باشہ بنا نے کی تیاری کر چکے تھے اور جس کی نمائیں پر حضور کے مدینہ

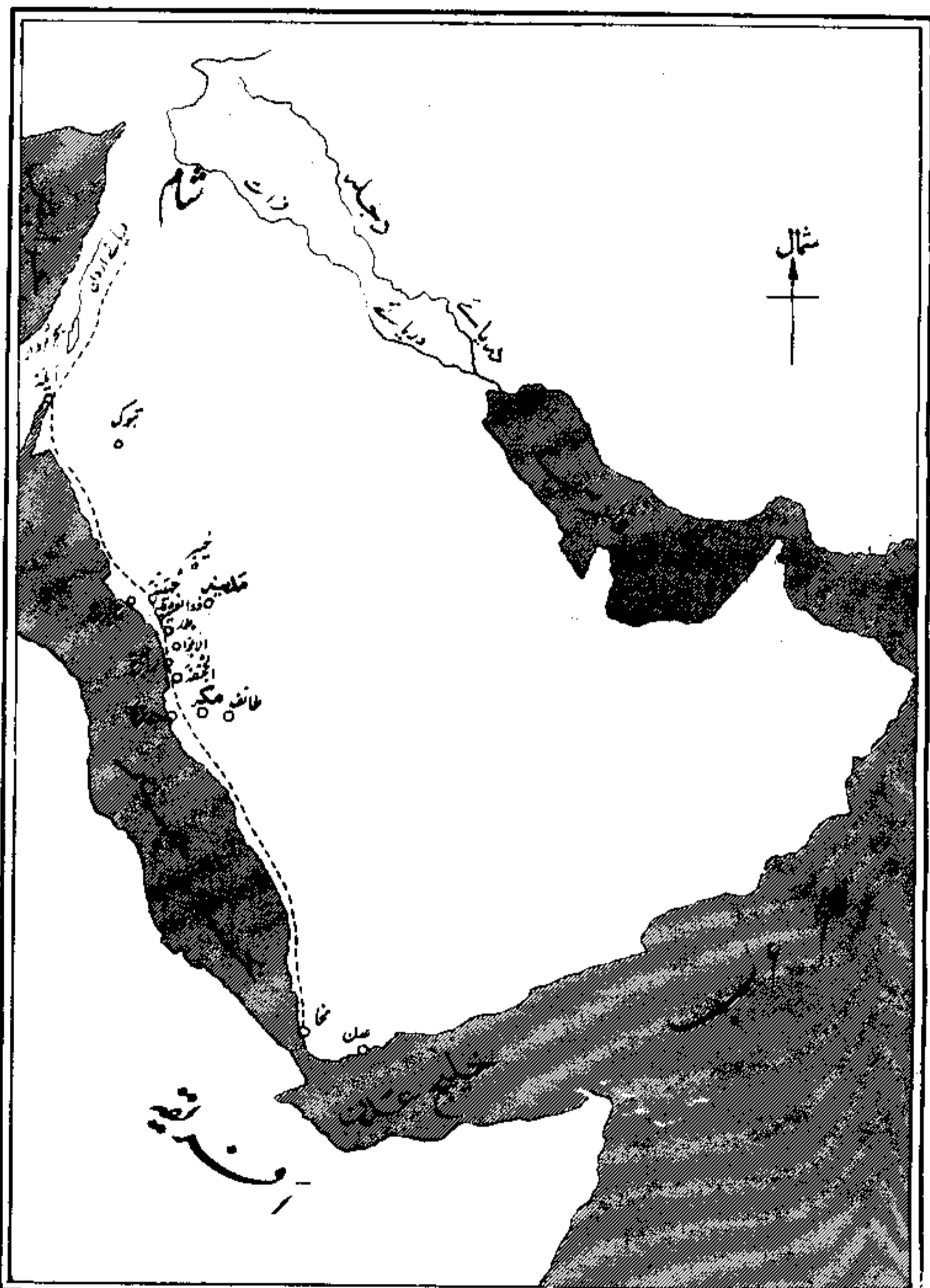
پہنچ جانے اور اوس و خوز رج کی اکثریت کے سلمان ہو جانے سے پابندی پھر حکما نے خط لکھا کہ انہم لوگوں نے
ہمارے آدمی کو اپنے ہاں بناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم خود اس سے لڑو یا اسے نکال دو،
ورنہ ہم سب تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہارے سردوں کو قتل اور عورتوں کو لوٹ دیاں بنالیں گے۔ عبید اللہ
بن ابی اس پر کچھ آمادہ شر ہوا، مگر بھی صلی اللہ علیہ وسلم نے بردقت اس کے شر کی روک تھام کر دی پھر سعد
بن معاویہ میں مدینہ غیرے کے بیٹے مکہ گئے دہاں عین حرم کے دروازے پر ابو جبل نے ان کو لوک کر کہ الا ازاک
تقطوف بمکہ امنا و قد اور یتم الصباۃ وزعمتم انکم تنصرو نہم و تعیینونہم
لوکا اندھ مع ابی صحفوان ما رجعت الی اهلاک سالمائماً (تم تو ہمارے دین کے مزندوں
کو بناہ دو اور ان کی اولاد داعانت کا دم بھرو اور ہم تمہیں الطینان سے مکہ میں طواف کرنے دیں) مگر تم امیتہ بن
خلف کے ہمہ ان نہ ہوتے تو زندہ ہیاں سنبھیں جا سکتے تھے۔ سعد نے جواب میں کہا و اللہ لش منعنتی
هذل الامعنعک ما ہوا شد عليك منه طریقك علی المدینہ (بخدا لگم نسبجے اس پر
سے روکا تو میں میں اس چیز سے روک دوں گا جو تمہارے بیٹے اس سے شدید تر ہے، یعنی مدینہ پرستہ نہ ماری روگنہ)
یہ گویا اہل مکہ کی طرف سے اس بات کا اعلان تھا کہ زیارت بیت اللہ کی راہ سلمانوں پر پسند ہے، اور اس کا
جواب اہل مدینہ کی طرف سے یہ تھا کہ شامی تھارت کا راستہ مخالفین اسلام کے بیٹے پر خطر ہے۔

اور فی الواقع اس وقت سلمانوں کے بیٹے اس کے سوا کوئی تدبیر بھی نہ تھی کہ اس تھارت شاہرا پر
اپنی گرفت رضبو طکریں تاکہ قریش اور وہ دوسرے تمہائل جنی کا مفاد اس راستے والبستہ تھا اسلام اور سلاموں
کے ساتھ اپنی معاندانہ وزرا امداد پالیسی پر نظر ثانی کرنے کے لیے مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ مدینہ پرستہ ہی بھی صلی اللہ
علیہ وسلم نے تو خیز اسلامی سوسائٹی کے ابتدائی نظم و نسق اور اطرافات مدینہ کی یہودی آبادیوں کے ساتھ معاملہ
ٹھکرنے کے بعد سب سے پہلے جس چیز پر توجہ منعطف فرمائی وہ اسی شاہراہ کا مسئلہ تھا۔ اس مشکلے میں
حضور نے دو اہم تدبیریں اختیار کیں۔

ایک یہ کہ مدینہ اور ساحل بھرا حرکے دریاں اس شاہراہ سے متصل جو قبائل آیا دن تھے ان کے ساتھ
گفت و شنید شروع کی تاکہ وہ جیغانہ اتحاد یا کم از کم ناطقداری کے معاہدے کر لیں۔ چنانچہ اس میں آپ کو
پوری کامیابی ہوئی۔ سب سے پہلے جمیلیہ سے جو ساحل کے قریب پہاڑی علاقے میں ایک اہم قبیلہ تھا وہ عابدہ
ناطقداری ٹھکر رہا۔ پھر اسہ بھری کے آخر میں بنی قحقرہ سے جن کا علاقہ کٹیج اور زوال العیرون سے متصل قعاد فاسی
معاہدت (Defensive Alliance) کی قرارداد ہوئی۔ پھر اسہ بھری کے وسط میں بنی مذریج بھی اس
قرارداد میں شریک ہو گئے کیونکہ وہ بنی ضمہ کے بھائیے اور حلیف تھے۔ مزید برآں تبلیغ اسلام نے ان
قبائل میں اسلام کے حامیوں اور بیرون کا بھی ایک اچھا خاص اعنصر پیدا کر دیا۔

دوسری تدبیر اپنے بیباختیار کی کفریت کے قاتلوں کو محکم دینے کے لیے اس شاہراہ پر یہ مجموعہ

فریض کتابت شاہراہ





چھوٹے دستے بھیجنے شروع کیے اور بعض دستوں کے ساتھ آپ خود بھی تشریف لے گئے۔ پہلے سال اس طرح کے چار دستے گئے جو مغازی کی کتابوں میں تحریک حمزہ، صریح عبدہ بن حارث، صریح سعد بن ابی وقاص اور غزڈۃ الایواہ کے نام سے موسم ۱۷ہ اور دوسرے سال کے ابتدائی مہینوں میں دو مزید تاخینیں سی جانب کی گئیں جن کو اہل مغازی غزڈۃ یو اٹ اور غزڈۃ ذوالعیشہ کے نام سے یاد کرنے ہیں۔ ان تمام ہمبوں کی دد خصوصیتیں قابلِ الحاظ ہیں۔ لیکن بہرہ کہ ان میں سے کسی میں نہ کشت و خون ہوا اور نہ کوئی قافلہ دو ڈاگیا ہیں سے یہ صفات ظاہر ہوتا ہے کہ ان تاخنوں کا اصل مقصد فرشت کو ہوا کا سخ تباہانا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے کسی تاخت میں بھی حصہ نہ تھے اہل مدینہ کا کوئی آدمی نہیں لیا بلکہ تمام دستے خالص بلکہ دہا جوہن سے ہی ترب فرماتے رہے تاکہ حتی الامکان یہ کشمکش قریش کے اپنے ہی گھروں تک محدود رہے اور دوسرے قبیلوں کے اس میں انجمن سے آگ پھیل نہ جائے اور ہر سے اہل مکہ بھی مدینہ کی طرف غارت گرد دستے بھیجتے رہے ہیں اپنے بھر اسی میں سے ایک دستے نے گزر بن جابر الفہری کی قیادت میں عین مدینہ کے قریب ڈاکہ ملا اور اہل مدینہ کے موئی نوٹ بیلے۔ قریش کی کوشش اس سلسلہ میں بہرہ ہی کہ دوسرے قبیلوں کو بھی اس کشمکش میں انہیں نیز بہرہ کا نہیں نہیں بھیج دیا۔

حالات یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ شعبان ۳۰ سے بھری (فردوسی یا مارج ۲۳) میں قریش کا ایک بہت بڑا قافلہ ہیں کے ساتھ تقریباً ۵ ہزار اشرفی کمال تھا اور تین چالیس سے زیادہ محافظت نہ تھی، شام سے مکہ کی طرف پلٹتے ہوئے اُس علاقہ میں پہنچا جو مدینہ کی رہیں تھے اپنے مکہ مال زیادہ تھا، مجانظم کم تھے، اور سابق حالات کی بنا پر خطرو توی تھا کہ کیسی مسلمانوں کا کوئی طاقتوں دستہ اس پر پچھا پہنچا رہا تھا، اس لیے سردار قافلہ ابو سفیان نے اس پر خطر علاقہ میں پہنچنے ہی ایک آدمی کو مکہ کی طرف دوڑا دیا تاکہ وہاں سے مدد لے آئے۔ اس شخص نے مکہ پہنچنے ہی عرب کے قبیلہ قاعده کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے۔ اس کی ناک پیریدی، کجادے کو اٹ کر کہ ریا اور اپنا قیص آگے بیچھے سے پھاڑ کر شور بھانا شروع کر دیا کہ :

یامعشر قریش! اللطیمہ الاطیمہ۔ اموالکہ مع رابی سفیان قد عرض نہما همد فی اصحابہ، لا ادنی ان تذرکوہا، الغوث، الغوث (قریش والوں اپنے قافلہ تجارت کی خبر لو، تمہارے مال جو ابو سفیان کے ساتھ ہیں، محمد اپنے آدمی لے کر ان کے درپیے ہو گیا ہے، مجھے امید نہیں کہ تم انہیں پاسکو گے، دوڑ دوڑ دم د کے لیے)۔ اس پر سارے مکہ میں بیجان برباد ہو گیا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جنگ کے لیے تیار ہو گئے تقریباً ایک ہزار صد ان جنگی جوہن میں سے ۴۰۰ نر و پریش نہ تھے اور جوں میں تھوڑے سواروں کا رسالہ بھی شامل تھا، پوری شان و شوکت کے ساتھ اڑنے کے لیے چلے۔

۱۷۔ اسلامی تاریخ کی اصطلاح میں سُرپتاں مہم کو کہتے تھے جو بنی صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کی قیادت میں بھیجا کرنے تھے، اور غزڈہ اس

ہم کو کہتے تھے جس کی تیار حضور خود فرماتے تھے۔

آن کے پیش نظر صرف یہی کام نہ تھا کہ اپنے فانٹھے کو بچا لائیں بلکہ وہ اس ارادے سے تھے کہ اس آئندے دن کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں اور مدینہ میں یہ مخالف طاقت جواہی نئی جماعت ہونی شروع ہوئی ہے اسے کچل ذالبین ہوا اس نواح کے قبائل کو اس حد تک مروع کر دیں کہ آئندہ کے لیے یہ تجارتی راستہ بالکل محفوظ ہو جائے۔

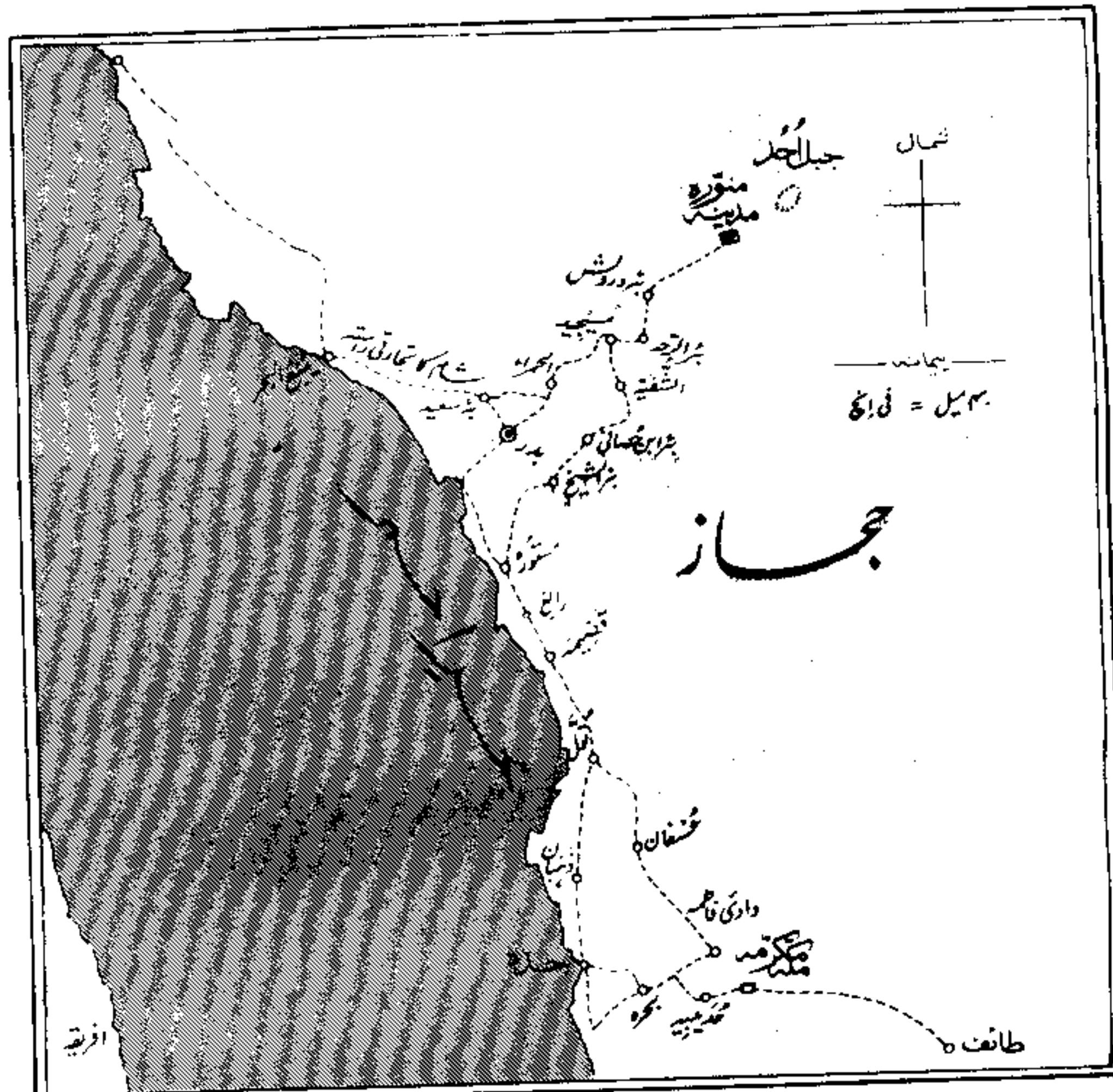
اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو حالات سے ہمیشہ باخبر رہتے تھے، محض فرمایا کہ فیصلہ کی حضری آپسی بھی ہے اور یہ تھیک وہ وقت ہے جبکہ ایک جسوارانہ اقدام اگرذ کر دالا گیا تو تحریک اسلامی ہمیشہ کے لیے بے جان ہو جائے گی بلکہ بعید نہیں کہ اس تحریک کے لیے سر اٹھانے کا پھر کوئی موقع ہی باقی نہ رہے۔ تھے دارالہجرت میں آئے ابھی پورے دسال بھی نہیں ہوئے ہیں۔ ہبہ اجریں بے سروسامان، انصار، ابھی تا آزمودہ، یہودی قبائل یہ سر مخالفت، خود مدینہ میں منافقین و مشرکین کا ایک اچھا خاص طائق نور غفر موجود، اور گرد پیش کے تمام قبائل قریش سے مروع بھی اور زندہ بیان کے ہمدرد بھی۔ ایسے حالات میں اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی تھی بھی جماعت کا خاتمہ ہو جاتے۔ لیکن الودع حملہ نہ کریں اور صرف اپنے زور سے فانٹھے کو بچا کر ہی نکال لے جائیں اور مسلمان ربکے بیٹھے رہیں تب بھی یہ لخت مسلمانوں کی ایسی بہاؤ کھڑے گی کہ عرب کا پچھہ پچھہ ان پر دیہر ہو جائے کا اور ان کے لیے ملک بھر میں پھر کوئی جاہے پناہ باقی نہ رہے گی۔ آس پاس کے سارے قبائل قریش کے اشاروں پر کام کرنا شروع کر دیں گے۔ مدینہ کے یہودی اور منافقین و مشرکین علی الاعلان سر اٹھائیں گے اور دارالہجرت میں جینا مشکل کر دیں گے مسلمانوں کا کوئی رعب و اثر نہ ہو گا کہ اس کی وجہ سے کسی کو ان کی جان، مال اور آبرو پر ہاتھ دالنے میں ناکام ہو۔ اس بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم فرمایا کہ جو عاقبت بھی اس وقت میسر ہے اسے کرنے لیکن اور میدان میں فیصلہ کریں کہ جیتنے کا بل بتو نا اس میں ہے اور کس میں نہیں ہے۔

اس فیصلہ کن اقدام کا ارادہ کر کے آپ نے انصار و ہبہ اجریں کو جمع کیا اور ان کے سامنے ساری پوزیشن صاف صاف رکھ دی کہ ایک طرف شمال ہیں تھا۔ قبائلہ جسے اور دوسری طرف جنوب سے قریش کا لشکر چلا آ رہا ہے، اللہ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک تھیں میں مل جائے گا بنا تو تم کس کے مقابلہ پر چلنے چاہتے ہو؟ جواب میں ایک بڑے گردہ کی طرف سے اس خواہش کا اظہار ہوا کہ فانٹھے پر حملہ کیا جائے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر پچھا اور تھا اس لیے آپ نے اپنا سوال دُھرا یا۔ اس پر ہبہ اجریں میں سے منقاد بن گئے اور اٹھ کر کیا یا رسول اللہ، امض لِمَا امرَكَ اللَّهُ فَإِنَّمَا عَدْ حَيْثَمَا حَبِيتَ، لَا نَقُولُ ثَلَاثَ كَمَا قَالَ بِنْوَاءُ سَرَائِيلَ لِمُوسَى أَذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتَ لَا إِنَّمَا عَكَمَ مَقَاتِلُونَ مَا دَعْتَ عَيْنَ مَنَاتَطْرَفَ۔ یا رسول اللہ، بعد حصہ آپ کا رسیب آپ کو حکم دے۔ ہبہ اسی طرف چلیے، ہم آپ کے

بخاری الاعمال
صفحہ ۱۲۳ - ۱۲۵

مدینے سے بدر راک

تفہیم الحسیر آن جلد دوم



اس نیچے میں قافلوں کے نہ راستہ دکھانے گئے ہیں جو سکھیے بدر ہوتے ہیں تاکہ شام کی طرف جاتے ہیں۔ نیز وہ راستہ بھی لکھا گیا ہے جو مدینے سے بدر کی طرف آتا ہے۔

ساتھ ہیں جس طرف بھی آپ جائیں۔ ہم بھی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نبیوں میں کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دلوں
لڑیں۔ ہم تو یہاں بیٹھتے ہیں۔ نبیوں جم کہتے ہیں کہ چلیے آپ اور آپ کا خدا، دلوں رہیں اور ہم آپ کے ساتھ
جانبیں رہاں گے جب تک ہم ہیں سے ایک آنکھ بھی گرہش کر رہی ہے۔ مگر وہ ان کا فیصلہ انصار کی رائے
معلوم کیجئے بغیر نبیوں کیا جا سکتا تھا، کیونکہ ابھی تک فوجی اقدامات ہیں ان سے کوئی مدد نبیوں کی لئی تھی اور
ان کے لیے یہ آزادی کا پہلا موقع تھا کہ اسلام کی حمایت کا جو عمدانہ ہوں نے اول روز کیا تھا اسے وہ کہاں
تک نہ بنتے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے حضور نے براہ راست ان کو مخاطب کیجئے بغیر پھر اپنا سوال دو ہے ایسا۔
اس پر سعد بن معاویہ اور انہوں نے عرض کیا تھا یہ حضور کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ فرمایا ہاں۔ انہوں
نے کہ، لقدر امنا بک و صدقنا لک و شهدنا ان ماجھت به هو الحق داعطينا ک
عهودنا و مواتيقنا على التسمم والطاعة۔ فما مضى يار رسول الله لما أسردت.
فوالذى بعثك بالحق لواستعراضت بناءهذا البحر فخستة لخضنا معك وما
تخلفت منأجل واحد . وما نكرد ان تدقق بناء عددنا غداً انا لننصر عن الحرب
صُدُّقٌ عند اللقاء ولعل الله يربك من أمانقـر به عينك فسرينا على برکة الله۔
”ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی نصیریہ کر دیجئے ہیں کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور آپ سے سمع و طاعت
کا پختہ عبد باندھ دیجئے ہیں۔ پس اسے اللہ کے رسول ہا جو کچھ آپ نے ارادہ فرمایا ہے اسے کر گز دیے قسم ہے
اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں لے کر سامنے سندھ پر جائیں تو ہم اور اس میں
اتر جائیں تو ہم آپ کے ساتھ کو دیں گے اور ہم ہمیں سے ایک بھی تیجھے نر ہے گا۔ ہم کو یہ برگزنا گواہ نبیوں ہے
کہ آپ کھل ہمیں سے کر دشمن سے جا بھجوں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے، مقابلہ میں پھر جان شماری
دکھائیں گے اور بعد نہیں کہ اللہ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھوادے جسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں نہندی ہو جائیں
پس اللہ کی برکت کے بعد سے پر آپ ہمیں لے چلیں۔

ان تقریروں کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ فاصلہ کے بھائے شکر قریش ہی کے مقابلہ پر چلنے چاہیے۔ لیکن یہ
فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا۔ جو لوگ اس تنگ وقت میں لڑائی کے لیے اٹھتے تھے ان کی تعداد ۳۰۰ سو سے کچھ
ن زائد تھی، رہ ۸۶۰ مهاجر، اب قبیلۃ اوس کے اور ۷۴۰ قبیلۃ خررج کے، جن میں صرف دو ہمین کے پاس گھوڑے
تھے اور باقی آدمیوں کے لیے، اوتھوں سے زیادہ نہ تھیں پر تین ٹین چار چار اشخاص باری باری سے
سوار ہوتے تھے۔ سامان جنگ بھی بالکل ناکافی تھا۔ صرف ۶۰ آدمیوں کے پاس زیر میں تھیں۔ اسی لیے جنہیں
سرفرودش فدائیوں کے سوا اکثر آدمی جو اس خطروں کا مہم میں شرک تھے دلوں میں سہم رہے تھے اور انہیں
ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بانتے ہو جانے سے موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ مصلحت پرست لوگ، جو اگر چہ دائرہ
اسلام میں داخل ہو رہے تھے مگر ایسے ایمان کے قائل نہ تھے جس میں جان و مال کا زیباں ہوا اس میں کو دیوانی

ابیالی خدا کی طرف سے نصرت کا انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور قربیش اپنے سارے فرو طاقت کے ہا و جو دن بے سر و سامان فدائیوں کے ہاتھوں شکست کھائے۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے، تے قید ہوئے اور ان کا سرو سامان غبیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ قربیش کے پڑے پڑے بس ردار جوان کے گھبائے سر پیدا اور اسلام کی مخالفت تحیک کے درج روایت ہے اس محکمے میں ختم ہو گئے اور اس فیصلہ کی فتح نے عرب میں اسلام کو ایک قابلِ لحاظ طاقت بنادیا۔ جیسا کہ ایک مغربی محقق نے لکھا ہے: «پدر سے پہلے اسلام مخفی ایک مذہب اور ریاست تھا، مگر پدر کے بعد وہ مذہب ریاست بلکہ خود ریاست بن گیا۔»

مہاجرہ | یہ ہے وہ تنظیم انسان معرکہ جس پر قرآن کی اس سورہ میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ مگر اس تبصرے کا انداز تمام اُن بصرہوں سے مختلف ہے جو دنیوی بادشاہ اپنی فوج کی فتحیاں کے بعد کیا کرتے ہیں۔

اس میں سب سے پہلے اُن خامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے جو اخلاقی جیلیت سے ابھی مسلمانوں میں باقی تھیں تاکہ آئندہ اپنی مزیدہ تکمیل کے لیے سمجھی کروں۔

پھر ان کو بتایا گیا ہے کہ اس فتح میں تائید الہی کا لکھا ہوا حصہ تھا تاکہ وہ اپنی چرأت و شہامت پر نہ پھیلیں بلکہ خدا پر توکل اور خدا و رسول کی اطاعت کا سبق لیں۔

پھر اُس اخلاقی مقصد کو واضح کیا گیا ہے جس کے لیے مسلمانوں کو یہ محکمہ حق و باطل برپا کرنا ہے اور ان اخلاقی صفات کی تحریج کی گئی ہے جن سے اس محکمے میں انہیں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

پھر مشرکین اور متفقین اور بیود اور ان لوگوں کو جو جنگ میں قید ہو کر آئئے تھے، نہایت سبق آموز انداز میں خطاب کیا گیا ہے۔

پھر اُن اموال کے متعلق جو جنگ میں ہاتھ آئے تھے، مسلمانوں کو بدایت کی گئی ہے کہ انہیں اپنا مال نہ کھجیں بلکہ خدا کا مال کھجیں، جو کچھوں الشداس میں سے ان کا حصہ مقرر کرے اسے شکر پکے ساتھ قبول کریں اور جو حصہ الشد اپنے کام اور اپنے غربب بندوں کی امداد کے لیے مقرر کرے اس کو برصغیر غیث کو اراکریں۔

پھر قانون جنگ و صلح کے متعلق وہ اخلاقی بدایات دی گئی ہیں جن کی توضیح اس مرتبے میں دعوت اسلامی کے داخل بوجانش کے بعد ضروری تھی تاکہ مسلمان اپنی صلح و جنگ میں جا بیت کے طریقوں سے بھیں اور دنیا پر ان کی اخلاقی برتری فائم ہو اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اسلام اول روز سے اخلاق پر عمل زندگی میں بنا دے رکھنے کی جو دعوت دے رہا ہے اس کی تعمیر و افتتاحی عمل زندگی میں کیا ہے۔

پھر اسلامی ریاست کے دستوری قانون کی بعض دفعات بیان کی گئی ہیں جن سے دارالاسلام کے مسلمان باشندوں کی آئینی جیلیت اُن مسلمانوں سے الگ کر دی گئی ہے جو دارالاسلام کے حدود سے باہر رہتے ہوں۔

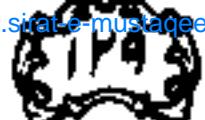
سُورَةُ الْأَنْفَالِ مَدْرِبَةٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاصْلِحُوا دَارَتَ بَيْنِكُمْ وَآطِبُوا إِلَهَ وَرَسُولَهُ
إِنْ كُنْتُمْ صُمُّ مُمْنِينَ ① إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ

تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں ؎ کہو ”بہ انفال تو اللہ اور رسم کے رسول کے ہیں، پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپ کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور رأس کے رسول کی طاعت کرو اگر تم مومن ہو۔“ سچے اہل ایمان تو رو لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر

لے۔ یہ اس تبصرہ جنگ کی عجیب تعبید ہے۔ بدیر میں جو ماں غنیمت شکر قربیش سے لوٹا گیا تھا اس کی تقسیم پر مسلمانوں کے درمیان نزارع برپا ہو گئی۔ چونکہ اسلام فتویں کرنے کے بعد ان لوگوں کو یہی مرتبا پرچم اسلام کے نیچے رہنے کا اتفاق ہوا تھا اس لیے ان کو مسلمان نہ تھا کہ اس سلسلہ میں جنگ اور اس سے پیدا شدہ سائل کے متعلق کیا نتا بظر ہے۔ کچھ ابتداً بدایات سورہ بقراءہ درسورہ محمد میں دیکھا چکی تھیں، لیکن ”تہذیبِ جنگ“ کی بنیاد ابھی کھنی باتی تھی۔ بہت سے تمدنی معاملات لی طرح مسلمان ابھی تک جنگ کے معاملہ میں بھی اکثر پرانی جاہلیت ہی کے تصورات لیے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے بدیر کی روانی میں کفار کی شکست کے بعد جن لوگوں نے جو کچھ مال غنیمت لوٹا تھا وہ عرب کہہ رہے طریقہ کے مطابق اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھ لیتھے تھے۔ لیکن ایک دوسرا فریض جس نے غنیمت کی طرف رُخ کرنے کے بجائے کفار کا تعاقب کیا تھا، اس بات کا مدعی ہوا کہ اس مال میں ہمارا برابر کا حصہ بھی کیونکہ اگر ہم دشمن کا پیچھا کر کے اسے دوستک بھگانہ دیتے اور تمہاری طرح غنیمت پر ثبوت پڑتے تو ممکن تھا کہ دشمن پھر پیٹ کر حملہ کر دیتا اور فتح شکست سے بدل جاتی۔ ایک تیسرے فریض نے بھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہا تھا، اپنے دعاوی پیش کیے۔ اس کا کھنابہ تھا کہ سب سے بڑھ کر قبیتی خدمت تو اس جنگ میں ہم نے انجام دی ہے۔ اگر یہم رسول اللہ کے گرد اپنی جانوں کا حصہ بنائے ہوئے نہ رہتے اور آپ کو کوئی گزندہ پیش جاتا تو فتح ہی کب نصیب ہو سکتی تھی کہ کوئی مال غنیمت پانچھ آتا اور اس کی تقسیم کا سوال اٹھتا۔ مگر یاں عمل اجس فریض کے قبضہ میں تھا اس کی علیکیت کو یا کسی ثبوت کی محتاج نہ تھی اور وہ دیل کا یہ حق مانتے کے لیے تیار نہ تھا کہ ایک امر واقعی اس کے زدر سے بدل جائے۔ آخر کار اس نزارع نے تلمیز کی صورت اختیار کرنی شروع کر دی اور زبانوں سے دلوں تک بد مرگ پھیلنے لگی۔



یہ تھا وہ نعمیاتی موقع جس سے اللہ تعالیٰ نے سورہ انفال نازل کرنے کے لیے منتخب فرمایا اور جنگ پر اپنے نیصرے کی ایجاد اسی مسئلے سے کی۔ پھر پہلا ہی فقرہ جو ارشاد ہوا اُسی میں سوال کا جواب موجود تھا فرمایا "تم سے الفال کے متعلق پورچھتے ہیں" جو یہ ان اموال کو "غناائم" کے بجائے "انفال" کے لفظ سے تعبیر کرنا بجائے خود مسئلے کا فیصلہ اپنے اندر رکھتا تھا۔ انفال موحہ ہے نفل کی۔ عربی زبان میں نفل اس جیز کو کہتے ہیں جو واجب سے یا حق سے زائد ہو۔ جب یہ تابع کی طرف سے ہوتا تو اس سے مراد وہ رضا کا راندہ خدمت ہوتی ہے جو ایک بندہ اپنے آقا کے لیے فرض سے بڑھ کر ناطقًا بجا لاتا ہے۔ اور جب یہ متبوع کی طرف سے ہوتا تو اس سے مراد وہ عطیہ و النعام ہوتا ہے جو آقا اپنے بندے کے حق سے زائد دینتا ہے۔ پس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ساری رقصہ کرد، یہ نہ ارع بہ پوچھ پوچھ کیا خدا کے بخششے ہوئے انعامات کے بارے میں ہو رہی ہے؟ اگر یہ بات ہے تو تم لوگ ان کے مالک و مختار کہاں نہیں چاہے ہو کہ خود ان کی تقسیم کا فیصلہ کرو۔ مال جس کا بخشنا ہوا ہے وہی فیصلہ کر کے گا کہ کسے دریا جائے اور کسے نہیں، اور جس کو بھی دیا جائے اسے کتنا دیا جائے۔

یہ جنگ کے سلسلہ میں ایک بہت بڑی اخلاقی اصلاح تھی مسلمان کی جنگ دنیا کے مادی فائدے پرور نہ کیلیے نہیں ہے بلکہ دنیا کے اخلاقی و تمدنی بکھار کو اصول حق کے مطابق درست کرنے کے لیے ہے جسے مجبوراً اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جبکہ مزاحم قریب دعوت و بیش کے ذریعہ سے اصلاح کونا ممکن نہیں۔ پس مصلحین کی نظر اپنے مقصد پر ہوتی چاہیے کہ ان فوائد پر جو مقصد کے لیے سی کرتے ہوئے بطور النعام خدا کی عنایت سے حاصل ہوں۔ ان فوائد سے اگر ابتداء ہی بیس ان کی نظر نہ ہٹادی جائے تو بہت جلدی اخلاقی انحطاط و نما ہو کر یہی فوائد مقصود قرار پا جائیں۔

پھر یہ جنگ کے سلسلہ میں ایک بہت بڑی انتظامی اصلاح بھی تھی۔ قدیم زمانہ میں طریقہ یہ تھا کہ جو مال جس کے ہاتھ لگتا وہی اس کا مالک قرار پاتا۔ یا پھر بادشاہ یا پسہ سالار تمام غناائم پر فالبض بھو جانا۔ پہلی صورت میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ فتح یا بفوجوں کے درمیان اموال غنیمت پر سخت تنافس برپا ہو جاتا اور بسا اوقات ان کی خانہ جگل فتح کو شکست میں تبدیل کر دینی۔ دوسری صورت میں سپاہیوں کو چوری کا عارضہ لگ جاتا تھا اور وہ غناائم کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ فرقہ نے انفال کو اللہ اور رسول کا مال قرار دے کر پہلے تو یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ تمام مال غنیمت لکر بے کم دکالت امام کے سامنے رکھ دیا جائے اور ایک سوئی تک چھپا کر نہ رکھی جائے۔ پھر آگے چل کر اس مال کی تقسیم کا قانون بنایا کہ پانچوں حصہ خدا کے کام اور اس کے غریب بندوں کی مدد کے لیے بیت المال میں رکھ لیا جائے اور باقی چار حصے اُس پوری فوج میں تقسیم کر دیے جائیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ اس طرح دو دنوں میں خرابیاں دور ہو گئیں جو جا بیت کے طریقہ میں تھیں۔

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ اور بھی ذہن میں رہنا چاہیے۔ یہاں انفال کے قصے کو صرف اتنی بات کہہ کر ختم کر دیا جبکہ کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ہیں۔ تقسیم کے مسئلے کو یہاں نہیں چھپا رکیا تاکہ پہلے تسلیم و اطاعت کامل ہو جائے۔ پھر چند رکوع کے بعد بتایا گیا کہ ان اموال کو تقسیم کس طرح کیا جائے۔ اسی لیے یہاں انہیں "انفال" کہا گیا ہے اور رکوع دیں جب تقسیم کا حکم بیان کرنے کی نوبت آئی تو انہی اموال کو "غناائم" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

وَجَلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلَيَّتْ عَلَيْهِمْ أَيْتُهُ رَأَدَنَهُمْ إِيمَانًا
وَعَلَى سَرَرِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقْبِلُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَفَّا لَهُمْ
دَرَجَتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ كَمَا أَخْرَجَكَ

رز جانتے ہیں اور حب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں بھونماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے دھماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں، قصوروں سے درگز رہے اور بہترین رزق ہے۔ (اس مال غنیمت کے معاملہ میں بھی ویسی ہی صورت پیش آرہی ہے جیسی اس وقت پیش آئی تھی جبکہ) تیرا رب تجھے حق کے ساتھ

۲۷ یعنی ہر ایسے موقع پر حب کوئی حکم الہی آدمی کے سامنے آئے اور وہ اس کی تصدیق کر کے سراط اعلیٰ کے ساتھ رہنے والے۔ ہر اس موقع پر حب کو کمل چیز آدمی کی مرضی کے خلاف، اس کی رائے اور نصرات و نظریات کے خلاف، اس کی مفاد اور اس کی لذت و آسائش کے خلاف، اس کی محنتوں اور دشیوں کے خلاف اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی بذایت میں ملے اور آدمی اس کو مان کر فرمائے خدا اور رسول کو بدرنخ کے بجائے اپنے آپ کو بدل دے اور اس کی قبولیت میں تکلیف انگیز کرے تو اس سے آدمی کے ایمان کو بالیدگی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس اگر ایسا کرنے میں آدمی دیرینگ کرے تو اس کے ایمان کی جان یعنی شروع ہو جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ ایمان کوں سائیں دیا ہے اور تصدیق و عدم تصدیق کا ایسی ایک مرتبا نہیں ہے کہ اگر آدمی نے نہ مان تو وہ بس ایک ہی نہ ماننا رہا، اور اگر اس نے مان لیا تو وہ بھی بس ایک ہی مان لینا ہوا۔ نہیں بلکہ تصدیق اور انکار دونوں میں انحطاط اور انشودہ نماک صلاحیت ہے۔ ہر انکار کی کیفیت گھٹ بھی سکتی ہے اور بڑھ بھی سکتی ہے۔ اور اسی طرح ہر اقرار و تصدیق میں ارتقاء بھی ہو سکتا ہے اور تنزل بھی۔ البتہ فقی احکام کے اعتبار سے نظام تمدن میں حقوق اور حیثیات کا تعین حب کیا جائے گا اور تصدیق اور عدم تصدیق دونوں کے بس ایک ہی مرتبے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسلامی سوسائٹی میں تمام ماننے والوں کے آئینی حقوق و واجبات یکسان ہوں گے خواہ ان کے درمیان ماننے کے مرانب میں کتنا ہی تفاوت ہو۔ اور سب نہ ماننے والے ایک ہی مرتبا ہیں دی

رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ يَا الْحَقَّ وَإِنَّ فِرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكُرِهُونَ ۝
يَجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاتِبَاهَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ
وَهُمْ يُنْظَرُونَ ۝ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ أَحَدٌ فِي الظَّلَامِ فَتَيَّنَ أَنْهَاكَ

تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ کو یہ سخت ناگوار تھا۔ وہ اس حق کے معاملہ میں بچھ سے جھگڑا رہے تھے دراں حاصل کوہ صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ گوریا وہ آنکھوں دیکھنے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔

یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تبیین

یا حدی یا معابد و مسلم قرار دیئے جائیں گے خواہ ان میں کفر کے اعتبار سے مراتب کا کتنا بھی فرق ہو۔

۳۷ قصور بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر اہل ایمان سے بھی سرزد ہو سکتے ہیں اور ہوشے ہیں اور جب تک انسان انسان ہے یہ محل ہے کہ اس کا نامہ اعمال سراسر معباری کار ناموں جی پر مشتمل ہو اور لغزش، کوتاہی، خامی سے بالکل خال رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے یہ بھی ایک بڑی رحمت ہے کہ جب انسان بندگی کی لازمی شرط پوری کر دیتا ہے تو اللہ اس کی کوتاہیوں سے چشم پر شی فرماتا ہے اور اس کی خدمات جس صلے کی مستحق ہوتی ہیں اس سے کچھ زیادہ صدراپنے فضل سے عطا کرتا ہے سو وہ اگر قاعدہ یہ مقرر کیا جاتا کہ ہر قصور کی سزا اور ہر خدمت کی جزا الگ الگ دی جائے تو کوئی بڑے سے بڑا صالح بھی سزا سے نجح سکتا۔

۳۸ یعنی جس طرح اس وقت یہ لوگ خطرے کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے احال نکھن کا مطالیہ اُس وقت یہی تھا کہ خطرے کے منہ میں چلے جائیں، اسی طرح آج انہیں مال غلبہت ہاتھ سے چھوڑنا ناگوار ہو رہا ہے حال نکھن کا مطالیہ یہی ہے کہ وہ اسے چھوڑیں اور حکم کا انتفار کریں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ کی اطاعت کرو گے اور اپنے نفس کی خواہش کے بجائے رسول کا کہا مانو گے تو ویسا ہی اچھا نتیجہ دیکھو گے جیسا ابھی جنگ بد رکے موقع پر دیکھو چکے ہو کہ نہیں شکر قریش کے مقابلہ پر جانا سخت ناگوار تھا اور اسے تم بلاکت کا پیغام مجھ رہے تھے لیکن جب تم نے حکم خدا و رسول کی تعییں کی تو یہی خطرناک کام تمہارے لیے نہ نہیں کا پیغام ثابت ہوا۔

قرآن کا یہ ارشاد صحنًا اُن روایات کی بھی نرید کر رہا ہے جو جنگ بد کے سلسلہ میں عموماً کتب سیرت و معازری میں نقل کی جاتی ہیں، یعنی یہ کہ ابتداءً بنی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین قافلے کو نوٹھنے کے لیے مدینہ سے برداشت ہوئے تھے۔ پھر چند منزل آگئے جا کر جب معلوم ہوا کہ قربیش کا لشکر قافلہ کی حفاظت کے لیے آرہا ہے تب یہ مشورہ کیا گیا کہ قافلے پر حملہ کیا جائے یا

لَكُمْ وَتَوَدُونَ أَنَّ عَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَبِرِيدُ اللَّهِ
أَنْ يُحِقَ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ وَيَقْطَعَ دَارِرَ الْكُفَّارِ^۷ لِيُحِقَ الْحَقَّ
وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ^۸ إِذْ تَسْتَغْيِثُونَ رَبَّكُمْ
فَاسْتَحْابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّ كُمْ بِالْفِيْضِ مِنَ الْمَلِكَةِ مُرْدِفِينَ^۹
وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَى وَلِتَطْمِئِنَّ بِهِ فُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا

مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمیں ملے۔ مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دئے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

اور وہ موقوع جسکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے پہنچے درپے ایک ہزار فرشتے یعنی صحیح رہا ہوں۔ یہ بات اللہ نے تمیں صرف اس لیے بتا دی کہ تمیں خوشخبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں، ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ

شکر کا مقابلہ ہاں بیان کے یہ عکس قرآن یہ بتا رہا ہے کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے تھے اسی وقت یہ امر حجت آپ کے پیش تظر قریش کے شکر سے نیصلہ کی مقابلہ کیا جائے اور یہ مشادرت بھی اسی وقت بروئی تھی کہ قلعے اور شکر میں سے کس کو حملہ کے لیے منتخب کیا جائے۔ اور با وجود یہہ مونین پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ شکر بھی سے نہ نہ ضروری ہے، پھر بھی ان میں سے ایک گروہ اس سے بچنے کے لیے بحث کرتا تھا اس اور بالآخر جب آخری رائے یہ قرار پا گئی کہ شکر بھی کی طرف چلنا چاہیے تو یہ گروہ مدینہ سے بی جبال کرتا ہوا چلا کر ہم سیدھے موت کے منہ میں ہانکے جا رہے ہیں۔

۵۔ یعنی تجارتی تائفیہ یا شکر قریش۔

۶۔ یعنی قافلہ جس کے ساتھ صرف نیس چالیس محافظ تھے۔

۷۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت فی الواقع صورت حال کیا رہنا ہو گئی تھی۔ جیسا کہ ہم نے سورہ کے دیباچہ میں بیان کیا ہے، شکر قریش کے نکل آنے سے دراصل سوال یہ پیدا ہو گیا تھا کہ دعوت اسلامی اور نظام جاہلیت دونوں میں سے کس کو عرب میں زندہ رہنا ہے۔ اگر مسلمان اس وقت مردانہ وار مقابلہ کے لیے نہ نکلنے تو اسلام کے لیے زندگی کا کوئی موقع

وَمِنْ عِنْدِ اللَّهِ أَنَّ اللَّهَ عَزُوبٌ حَكِيمٌ ۝ إِذْ يُغْتَسِلُكُمُ النُّعَاسَ أَهْنَةً
مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُظَهِرَ كُمْبَهْ وَيُذْهِبَ
عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَنِ وَلِيُرِيدَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثْبِتَ بِهِ
الْأَقْدَامَ ۝ إِذْ يُوْحَى رَبُّكَ إِلَيَّ الْمَلِكَةَ أَنِّي مَعَكُمْ فَنَثِبْتُوا
الَّذِينَ آمَنُوا سَالِقُونَ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعبُ فَاضْرِبُوْا

ہی کی طرف سے ہوتی ہے، یقیناً اللہ زبردست اور دانہ ہے۔ ۴

اور وہ وقت جبکہ اللہ اپنی طرف سے غنوڈگی کی شکل میں تم پاٹیناں و بے خوفی کی گفتگی طاری کر رہا تھا، اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی بر سارہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دُور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعہ سے تمہارے قدم جمادیت۔

اور وہ وقت جبکہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو، میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رُعب ڈالے دیتا ہوں، پس تم ان کی

باقی شربتی۔ بخلاف اس کے مسلمانوں کے نکلنے اور پہلے ہی بھروسہ دار میں قریش کی طاقت پر کاری چوٹ لگادینے سے وہ حالات پیدا ہوئے جن کی بدولت اسلام کو قدم جمانے کا موقع مل گیا اور بھروسے کے مقابلہ میں نظام جاہلیت پیغمبر کیست کھانا بھی چلا گیا۔

۵۷ یہی تجربہ مسلمانوں کو احمد کی جنگ میں پیش آیا جیسا کہ سورہ آل عمران آیت ۱۵۲ میں گزر چکا ہے۔ اور دونوں موقع پر وجہ وہی ایک تھی کہ جو موقع شدت خوف اور گھبرا بست کا تھا اس وقت اللہ نے مسلمانوں کے دلوں کو ایسے اطمینان سے بھروسیا کہ ان پر غنوڈگی طاری ہونے لگی۔

۹۸ یہ اس رات کا داتعہ ہے جس کی صبح کو بدر کی اٹائی پیش آئی۔ اس بارش کے نین نائمشے ہوئے۔ ایکت یہ کہ مسلمانوں کو پان کی کافی مقدار مل گئی اور انہوں نے فوراً حوض بنا بنا کر بارش کا پان روک لیا۔ دوسرے یہ کہ مسلمان چونکہ دادی کے بالائی حصے پر تھے اس لیے بارش کی وجہ سے ریت جنم گئی اور ذریں اتنی مصبوط ہو گئی کہ قدم اچھی طرح جم سکیں اور نقل د حرکت بآسانی ہو سکے۔ تیسرا یہ کہ شکری گفارشیب کی جانب تھا اس لیے وہاں اس بارش کی بدولت کچھ ہو گئی اور



فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَلِكَ بِآنَّهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَ رَسُولَهُ وَ مَنْ يُشَارِقُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذَلِكُمْ فَذُوْفُوْهَا وَ أَنَّ لِلْكُفَّارِ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُؤْلُهُمُ الْأَذْبَارَ ﴿١٥﴾ وَ مَنْ يُؤْلِهِمْ يُوْمَئِذٍ دُبْرَكَ إِلَّا مُتَحْرِفًا

گروں پر ضرب اور جوڑ پر چوٹ لگاؤ۔ یہ اس یہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا اور جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے اللہ اس کے یہے نہایت سخت گیر ہے۔ یہے تم لوگوں کی سزا، اب اس کا مزہ چکھو، اور تمیں معلوم ہو کہ حق کا انکار کرنے والوں کے یہے دوزخ کا عذاب ہے۔

اے ایمان لانے والو، جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دو چار ہوتوان کے مقابلہ میں پیچھے نہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقع پر پیچھے پھیرو۔ — الایہ کہ جنگی چال کے طور پر

پاؤں رضغتے لگے۔

شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست سے مراد وہ ہراس اور گھبراہٹ کی کیفیت تھی جس میں مسلمان ابتداء مبتلا تھے۔
نَاهِ جو اصولی یا نئی ہم کو قرآن کے ذریعہ سے معلوم ہیں ان کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتوں سے قتال میں یہ کام نہیں یا گیا ہو گا کہ وہ خود حرب و ضرب کا کام کریں، بلکہ شاید اس کی صورت یہ ہو گی کہ کفار پر جو ضرب مسلمان لگائیں وہ فرشتوں کی مدد سے نہیں بیٹھے اور کاری گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللَّهُ یہاں تک جنگ بدرو کے جن واقعات کو ایک ایک کر کے یاد دلایا گیا ہے اس سے مقصود دراصل لفظ آنفال میں معنویت واضح کرتا ہے۔ ابتداء میں ارشاد ہوا تھا کہ اس مال غنیمت کو اپنی جانفشنائی کا ثمرہ سمجھ کر اس کے مالک و عمار کیا جائے جاتے ہو، یہ تو دراصل عجیب تر ہی ہے اور عتلی خود ہی اپنے مال کا مختار ہے۔ اب اس کے ثبوت میں یہ واقعات گئے گئے ہیں کہ اس موقع میں خود ہی حساب لگا کر دیکھو کہ تمہاری اپنی جانفشنائی اور جرأت و جسارت کا کتنا حصہ تھا اور اللہ کی خوبیت کا کتنا حصہ۔

لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيْرًا إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ يَأْتَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَ
مَا أُولَئِكُمْ بَخَلُودٌ وَّبِئْسَ الْمَصِيرُ^{۱۶} فَلَمَّا نَقْتُلُهُمْ وَلَكِنَّ
اللَّهَ قَاتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَرَّهُ وَلَيُبَيِّنَ
الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسْتَأْتَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلَيْهِ^{۱۷}

ایسا کرے یا کسی دوسرا فوج سے جانے کے لیے۔ تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائیکا اُس کا ٹھہ کانا جہنم ہو گا، اور وہ بہت بُری جائے بازگشت ہے۔

پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا (اور مومنوں کے ہاتھ جواں کام میں استعمال کیے گئے تو یہ اس لیے تھا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزادی سے کامیابی کے ساتھ گزارنے یقیناً اللہ سُنْتَ اور جانتے والا ہے۔

۱۸ خطاب کا نئی بکایک کفار کی طرف پھر گیا ہے جو کے سخت سزا ہونے کا ذکر اور پر کے نقرے میں ہوا تھا۔

۱۹ درسن کے شدید دیاڑ پر مرتب پسپائی (Orderly retreat) ناجائز نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اپنے عقبی مرکز کی طرف پہنچانا اپنی ہی فوج کے کسی دوسرے حصے سے جا مانا ہو۔ البته جو چیز حرام کی لگتی ہے وہ بھگدر (Rout) ہے جو کسی جنگی مقصد کے لیے نہیں بلکہ محض بزدلی و نکست خود گی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے ہوا کرتی ہے کہ بھگوڑے اُدمی کو اپنے مقصد کی بہت جان زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اس فرار کو بڑے گناہوں میں شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں گناہ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی نیک فائدہ نہیں دیتی، ایک شرک دوسرے دالدین کی حق تلفی، تیسرا سے میدان قبال فی سهل اللہ سے فرار، اسی طرح ایک اور حدیث میں اپنے سات بڑے گناہوں کا ذکر کیا ہے جو انسان کے لیے تباہ کن اور اس کے انجام اُخروی کے لیے غائزگر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ گناہ بھی ہے کہ آدمی کفر و اسلام کی جنگ میں کفار کے آگے پیش پھیر کر بھاگے۔ اس فعل کو اتنا بڑا گناہ فرار دینے کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ یہ ایک بزوالا نہ فعل ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص کا بھگوڑا پن میسا اوقات ایک پوری پیش کیا جگوڑا پن ایک پوری فوج کو بد جواں کر کے بھگا دیتا ہے۔ اور پھر جب ایک دفعہ کسی فوج میں بھگوڑ پڑ جائے تو کہا نہیں جاسکتا کہ نیا ہی کس حصہ پر جا کر شیرے گی اس طرح کی بھگوڑ ہوت فوج ہی کے لیے تباہ کن نہیں ہے بلکہ اس ملک کے لیے بھی تباہ کن ہے جس کی فوج ایسی نکست کھائے۔

ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوْهِنٌ كَيْدُ الْكُفَّارِينَ ۚ ۱۸
 فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ
 تَعُودُوا نَعْدُ ۖ وَلَكُمْ نُغْنِي عَنْكُمْ فَتَنَاهُمْ شَيْئًا وَلَوْكَثُرَتْ
 وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ ۱۹ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اَطِيعُوا
 اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلُوا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۚ ۲۰
 وَلَا تَكُونُوا مِثْلَذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۚ ۲۱

یہ معاملہ تمہارے ساتھ ہے اور کافروں کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ اسلام کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے۔ ان کافروں سے کہہ دو ”اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو لو، فیصلہ تمہارے سامنے آگیا۔ اب بازاً آجائو تو تمہارے ہی لیے بہتر ہے، ورنہ پھر پیٹ کر اسی حماقت کا اعادہ کرو گے تو ہم بھی اسی سزا کا اعادہ کریں گے اور تمہاری جمعیت، خواہ وہ کتنی ہی زیادہ ہو، تمہارے پچھو کام نہ آسکے گی۔ اللہ موننوں کے ساتھ ہے۔“ ۲۲

اسے ایمان لانے والو، اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور حکمِ سُنّتے کے بعد اس سے مسترابی نہ کرو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے نہ حالانکہ وہ نہیں سُنّتے۔

۲۳ معرکہ بدربیں جب مسلمانوں اور کفار کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور عامز رد و خود کا موقع ہیگا تو حضور نے مٹھی بھر بیت ہاتھیں لے کر شاہتِ الْمُجْوَه کرنے ہوئے کفار کی طرف پھینکی اور اس کے ساتھ بھی آپ کے اشارے سے مسلمان بکاراگی کفار پر حملہ آور ہوئے۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

۲۴ مکر سے روانہ ہوتے وقت مشرکین نے کعبہ کے پردے پکڑ کر دعا مانگی تھی کہ خدا یادوں گرد ہوں میں سے بیٹیرے ہے اس کو فتح عطا کر اور ابو جہل نے خاص طور پر کہا تھا کہ خدا یا ہم میں سے جو بر سر حق ہو اسے فتح دے اور جو بر ظلم ہو اسے رسم کر دے جینا پسجا اللہ تعالیٰ نے ان کی منہ مانگی و عالمی حرمت بحروف پوری کر دیں اور فیصلہ کر کے بتا دیا کہ دلوں میں سے کون اچھا اور



۲۲) إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِتِ عِنْدَ اللَّهِ الظُّلُمُ الْبَكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ
وَلَوْ عِلْمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَمْ يَسْمَعُهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا
وَلَوْ مُشَدِّدُهُمْ ۚ ۲۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِبُوا لِلَّهِ وَلِرَسُولِ
هُنَّ مُعَرِّضُونَ ۖ ۲۴) إِذَا دَعَاهُمْ لِمَاءٍ يُحِبِّبُهُمْ وَلَا عِلْمُهُمْ أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ النَّارِ
وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۖ ۲۵) وَإِنَّفُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُنَّ

یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانوروں بھرے گئے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انہیں سنتے کی توفیق دیتا لیکن بھلائی کے بغیر اگر وہ ان کو سُنواتا تو وہ بے رُخی کے ساتھ منہ پھیر جاتے۔

اسے ایمان لانے والو، اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لیکیں کہو جبکہ رسول تمہیں اس بجزیر کی طرف بُلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے، اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے دور میان حائل ہے اور اسی کی طرف تم سمجھئے جاؤ گے۔ اوز بچوں سر فتنے سے جس کی ثابت مخصوص طور پر

برسر حق ہے۔

۱۶) بیان سنتے سے مراد وہ سنتا ہے جو مانتے اور قبول کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔ اشارہ اُن منافقین کی طرف ہے جو ایمان کا اقرار توکرتے تھے مگر حکام کی اطاعت سے منہ مژر جاتے تھے۔

۱۷) یعنی جو نہیں ہیں نہ حق بولتے ہیں جن کے کام اور جن کے منہ حق کے لیے ہرے اور گونگے ہیں۔
۱۸) یعنی جب ان لوگوں کے اندر خود حق پرستی اور حق کے لیے کام کرنے کا جذبہ نہیں ہے تو انہیں اگر تعیین حکم میں جنگ کے لیے نکل آنے کی توفیق دے بھی دی جاتی تو یہ خطرے کا موقع دیکھتے ہی بے نکلف بھاگ نکلتے اور ان کی معیت نہیں لیتے مفید ثابت ہونے کے بجائے اسی مضر ثابت ہوتی۔

۱۹) نفاق کی روشنی سے انسان کو بچانے کے لیے اگر کوئی سب سے زیادہ موثر نہ ہیرے تو وہ صرف یہ ہے کہ دو عقدے انسان کے ذہن نہیں ہو جائیں۔ ایک یہ کہ عاملہ اُس خدا کے ساتھ ہے جو دلوں کے حال تک جانتا ہے اور ایسا راز و اس ہے کہ آدمی اپنے دل میں جو نہیں ہو جاوے اسی میں جو اغراض و مقاصد اور جو خیالات چھپا کر رکھتا ہے وہ بھی اس پر عیاں ہیں۔ دوسرے

الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَالِصَةٌ وَّ اعْدَمُوا أَنَّ اللَّهَ نَشَدِّيدُ
الْعِقَابِ ۝ ۲۵ وَ اذْكُرْ دَا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي
الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَخْطُفُوكُمُ النَّاسُ فَأُولَئِكُمْ وَ أَيْنَ كُوْ

صرف اُنسی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔ اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ یاد کرو وہ وقت جبکہ تم تھوڑے تھے، زمین میں نعم کو بے زور سمجھا جانا تھا تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں مٹانے دیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ جیتا کر دی، اپنی مدد سے

یہ کہ جانا بھر حلال کے سامنے ہے اس سے سچ کر کیس بھاگ نہیں سکتے۔ یہ دو عقیدے سے جتنے زیادہ پختہ ہوں گے انسانی انسان نفاق سے دور رہے گا۔ اسی لیے منافقت کے خلاف دعوظ و صحبت کے سلسلہ میں قرآن ان دو عقیدوں کا ذکر بار بار کرتا ہے۔

۲۶ اس سے مراد وہ اجتماعی فتنے ہیں جو وہاں سے عام کی طرح ایسی شامت لاتے ہیں جس میں صرف گناہ کرنے والے ہی گرفتار نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں جو کناہ کا رسوسائی ہیں۔ جنابوں کا کردار کرتے رہے ہوں۔ مثال کے طور پر اس کو یہوں سمجھیے کہ جب تک کسی ثہر میں گندگیاں کہیں کہیں انفرادی طور پر چند مقامات پر رہتی ہیں، ان کا اثر محدود رہتا ہے اور ان سے وہ مخصوص افراد بھی مناثر ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے جسم اور اپنے گھر کو گندگی سے آلو دہ کر رکھا ہو۔ لیکن جب دباں گندگی عام ہو جانی ہے اور کوئی گروہ بھی سارے شہر میں ایسا نہیں ہوتا جو اس خرابی کو روکتے اور صفائی کا انتظام کرنے کی سعی کرے تو پھر ہوا اور زمین اور پانی ہر جیز میں سمیت پھیل جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں جو دباۓ آتی ہے اس کی پیشی میں گندگی پھیلانے والے اور گندہ رہنے والے اور گندہ ما حول میں زندگی بسر کرنے والے سب ہی آجاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاقی نجاںتوں کا حال بھی ہے کہ اگر وہ انفرادی طور پر بعض افراد میں موجود ہیں اور صالح سوسائی کے رعایتی دبی رہیں تو ان کے نفعانات محدود رہتے ہیں۔ لیکن جب سوسائی کا اجتماعی ضمیر کمزور ہو جانا ہے، جب اخلاقی برائیوں کو دبا کر رکھنے کی طاقت اُس میں نہیں رہتی، جب اس کے درمیان بڑے اور بے جیا اور بد اخلاق لوگ اپنے نفس کی گندگیوں کو علانیہ اچھائی اور پھیلانے لگتے ہیں اور جب اپنے لوگ بے علی احتیاک کر کے اپنی انفرادی اچھائی پر قائم اور اجتماعی برائیوں پر ساکت و صامت ہو جاتے ہیں تو مجموعی طور پر پوری سوسائی کی شامت آجاتی ہے اور وہ فتنہ عام برپا ہوتا ہے جس میں جتنے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ رسول جس اصلاح و بدایت کے کام کے لیے اٹھا ہے اور تمہیں جس خدمت میں ہاتھ بٹانے کے لیے بلا رہا ہے اسی میں وہ حقیقت شخصی و اجتماعی دونوں جیشیتوں سے تمہارے لیے زندگی ہے۔ اگر اس میں سچے دل سے خلعا نہ حصہ نہ لوگے اور ان برائیوں کو جو سوسائی میں پھیلی ہوئی ہیں برا داشت کرتے رہو گے تو وہ فتنہ عام برپا ہو گا

بَنَصْرِهِ وَسَرَّاقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشَكَّرُونَ ۚ ۲۶) يَا أَيُّهَا^{۲۶)}
الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُوْنُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُوْنُوا أَمْلَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ
تَعْلَمُونَ ۚ ۲۷) وَاعْلَمُوا أَنَّهُمَا أَمْوَالُكُمْ وَأُولَئِكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ
تَعْلَمُونَ

تمہارے ہاتھ مضبوط کیے اور تمہیں اچھا رزق پہنچایا، شاید کہ تم شکر گزار ہو۔ اسے ایمان لانے والوں
جاننتے ہو جھتنے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو، اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب
نہ ہو، اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تحقیقت میں سامان آزمائش ہیں اور اللہ کے

جس کی آفت سب کو پہیٹ میں لے لے گی خواہ بہت سے افراد تمہارے درمیان ایسے موجود ہوں جو عملًا برائی کرنے اور برائی
پھیلانے کے ذمہ دار نہ ہوں، بلکہ اپنی ذاتی زندگی میں بھلائی ہی لیے ہوئے ہوں۔ یہ وہی بات ہے جس کو سورہ اعراف آیات
۱۶۴-۱۶۵ میں اصحاب التبت کی تاریخی مثال پیش کرتے ہوئے بیان کیا جا چکا ہے، اور یہی وہ نقطہ نظر ہے جسے اسلام کی اصلاحی
جنگ کا بنیادی نظر پہ کہا جاسکتا ہے۔

۲۸) بیان شکر گزاری کا لفظ غور کے قابل ہے۔ اور پر کے سلسلہ تقریر کو نظر پیش رکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے
کہ اس موقع پر شکر گزاری کا مفہوم صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ لوگ اللہ کے اس احسان کو بانیں کہ اس نے اس کمزوری کی حالت سے
انہیں نکالا اور مکہ کی پڑھतر زندگ سے بچا کر امن کی جگہ اسے آیا جہاں طبیعت رزق میسر ہو رہے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ یہ بات بھی
اسی شکر گزاری کے مفہوم میں داخل ہے کہ مسلمان اس خلاکی اور اس کے رسول کی اطاعت کر دیں جس نے یہ احسانات ان پر کیے
ہیں، اور رسول کے مشن میں اخلاص و جان ثماری کے ساتھ کام کر دیں، اور اس کام میں بخطرات و مہالک اور مصائب پیش
آئیں ان کا مرد و اندوار مقابید اسی خدا کے بھروسے پر کرتے چلے جائیں جس نے اس سے پہلے ان کو خطرات سے بعافیت نکالا
ہے، اور یقین رکھیں کہ جب وہ خدا کا کام اخلاص کے ساتھ کر دیں گے تو خدا خود ران کا دیکیں وغایل ہو گا۔ پس شکر گزاری محض اعتراضی
نوعیت ہی کی مطلوب نہیں ہے بلکہ عملی نوعیت کی بھی مطلوب ہے۔ احسان کا اعتراف کرنے کے باوجود محسن کی رضا جو میں
کے لیے سچی نہ کرنا اور اس کی خدمت میں بخلص نہ ہونا اور اس کے بارے میں یہ شک رکھنا کہ نہ معلوم آئندہ بھی وہ احسان کر بگا
یا نہیں، ہرگز شکر گزاری نہیں ہے بلکہ الٹی ناشکری ہے۔

۲۹) ”اپنی امانتوں“ سے مراد وہ تمام ذمہ داریاں ہیں جو کسی پہااغنیوار (Trustee)، کریکے اس کے سپرد
کی جائیں، خواہ وہ عہدو فاکی ذمہ داریاں ہوں یا اجتماعی معاہدات کی، یا جماعت کے راندر کی، یا شخصی و جماعتی اموال
کی، یا کسی ایسے عمدہ و منصب کی جو کسی شخص پر بھروسہ کرتے ہوئے جماعت اس کے حوالے کرے۔ درزیدہ تشریح کے لیے

عِنْدَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَقْوَى اللَّهَ
يَجْعَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا وَ يُكَفِّرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتُكُمْ وَ يَعْفُرُ لَكُمْ وَ
اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا



پاس اجر دینے کے لیے بہت بچھے ہے ۱۱ سے ایمان لانے والوں، اگر تم خدا ترسی اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے لیے کسوٹی بھم پہنچا دے گا اور تمہاری بُرا نیوں کو تم سے دو کرے گا، اور تمہارے قصور معااف کرے گا۔ اللہ جو افضل فرمانے والا ہے۔

وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ منکریں حق تیرے خلاف تدبیر ہیں سوچ رہے ہے

ما حظہ ہو سورہ نساء حاشیہ حدیث

سئلہ ۱: انسان کے اخلاص ایمان میں جو چیز بالعموم خلل ٹالتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان اکثر منافق ہے۔ غلامی اور خیانت میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنے مال مفاد اور اپنی اولاد کے مفاد سے اس کی حد سے بڑھی جوئی دلچسپی ہوتی ہے ساسی ہے فرمایا کہ یہ مال اور اولاد جس کی محبت میں گرفتار ہو کر تم عموماً راستی سے بہت جاتے ہو، دراصل یہ دنیا کی امتحان گاہ ہیں تمہارے لیے سامان آزادی نہ ہے۔ جسے تم پیش کر دیتی بکتنے ہو حقیقت کی نہیں ہیں وہ دراصل امتحان کا ایک پرچھ ہے۔ اور جسے تم جاندے یا کاروبار کہتے ہو وہ بھی درحقیقت ایک دوسرا بہرچہ امتحان ہے۔ یہ چیزیں تمہارے حوالہ کی ہیں اس لیے گئی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے تمہیں جانچ کر دیکھا جائے کہ تم کہاں تک حفریں اور صود کا لحاظ کرتے ہو، کہاں تک ذمہ داریوں کا بوجھ لادے ہوئے جنہیں کشش کے باوجور راہ راست پر چلتے ہو، اور کہاں تک اپنے نفس کو جوان دنیوی چیزوں کی محبت میں بیس ہونتا ہے۔ اس طرح قابو میں رکھتے ہو کر پوری طرح بندہ حق بھی بنے رہا اور ان چیزوں کے حقوق اس حصہ کو انجمنی کرتے رہو جس حد تک حضرت حق نے خود ان کا استحقاق مقرر کیا ہے۔

سئلہ ۲: کسوٹی اُس چیز کو کہتے ہیں جو کھرے اور کھوٹے کے انتباہ کو نمایاں کرتی ہے۔ یہی مفہوم "فرقاں" کا بھی ہے اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ اس لفظ سے کیا ہے۔ ارشاد اپنی کامنشا یہ ہے کہ اگر تم دنیا میں اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرو اور تمہاری دل خواہش یہ ہو کہ تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئے پائے جو رضاۓ الہی کے خلاف ہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اندر وہ قوت تبیز پیدا کر دے گا جس سے قدم قدم پر تمہیں خود یہ معلوم ہوتا رہے گا کہ کون سارہ صحیح ہے اور کوئی غلط کس دیہ میں خلاکی رکھ لے ہے اور اس میں اس کی نا راضی زندگی کے ہر موڑ، ہر در را ہے، ہر شیب اور ہر فرماز پر تمہاری اندر وہی بصیرت تمہیں بنانے لگے گی کہ کہ حرقدم اُھانا چاہیے اور کہ حرقدم اُھانا چاہیے کوئی راہ حق ہے اور خدا کی طرف جاتی ہے اور کوئی راہ باطل

لَيُنْبَتُوكَ أَوْ يُقْتَلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَ يَمْكِرُونَ وَ يَمْكِرُ
اللَّهُ وَ اللَّهُ خَيْرُ الْمَمْكُرِ بَيْنَ ۝ وَإِذَا تُشْلَى عَلَيْهِمْ أَيْنَا
قَاتُلُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا لَأُنْ هَذَا إِلَّا

کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیس چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال
چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلتے والا ہے۔ جب ان کو ہماری آیات سنائی جاتی تھیں
تو کہتے تھے کہ "ہاں سُنْ یا ہم نے، ہم چاہیں تو ایسی ہی پائیں ہم بھی بن سکتے ہیں، یہ تو وہی پرانی

ہے اور شیطان سے ملاتی ہے۔

۲۵ یہاں موقع کا ذکر ہے جبکہ قربیش کا یہ اندیشہ یقین کی حد کو پہنچ چکا تھا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ پہنچے
جائیں گے۔ اس وقت وہ آپس میں کہتے ٹلکے کہ اگر یہ شخص مکہ سے نکل گیا تو پھر خطرہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے
آپ کے معاملہ میں ایک آخری فیصلہ کرنے کے لیے دارالائدۃ میں تمام رؤسائے قوم کا ایک اجتماع کیا اور اس امر پر باہم مشاورت
کی کہ اس خطرے کا سند باب کس طرح کیا جائے۔ ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ اس شخص کو پیر یاں پہنا کر ایک جگہ قید کر دیا جائے اور
جیتے جی رہا کیا جائے۔ لیکن اس رائے کو قبول نہ کیا گیا کیونکہ کہنے والوں نے کہا کہ اگر ہم نے اسے قید کر دیا تو اس کے جو ساتھی قید علی
سے باہر ہونگے وہ برابر اپنا کام کرتے رہیں گے اور جب ذرا بھی قوت پڑ لیں گے تو اسے چھڑانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگاتے میں
بھی دریغ نہ کریں گے۔ دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ اسے اپنے ہاں سے نکال دو۔ پھر جب یہ ہمارے درمیان نہ رہے تو ہمیں اس سے
پکھے بجٹ نہیں کہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے، بہر حال اس کے وجود سے ہمارے نظام زندگی میں خلل پڑنا تو نہ ہو جائے گا
لیکن اسے بھی یہ کہ کر دیا گیا کہ یہ شخص جادو یا ان آدمی ہے، دلوں کو موہنے میں اسے بلا کامال حاصل ہے، اگر یہ یہاں سے نکل گی
تو نہ معلوم ہو بکے کہ کن کن قبیلوں کو اپنا پیر و بنائے گا اور پھر کتنی قوت حاصل کر کے قلب عرب کو اپنے اقتدار میں لانے کے لیے تمہر پر
حملہ آور ہو گا۔ آخر کار ابو جہل نے یہ رائے پیش کی کہ ہم اپنے تمام قبیلوں میں سے ایک ایک عالی نسب تیز دست جوان منتخب
کریں اور یہ سب مل کر بارگی مدد پر ثوٹ پڑیں اور اسے قتل کر ڈالیں۔ اس طرح محمد کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا اور بنو
عبد مناف کے لیے ناممکن ہو جائے گا کہ سب سے رہ سکیں اس لیے مجبوراً خون بہار پر فیصلہ کرنے کے لیے راضی ہو جائیں گے۔ اس
رائے کو سب نے پسند کیا اور قتل کے لیے آدمی بھی نامود ہو رکھئے اور قتل کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا، حتیٰ کہ جورات اس کام کے لیے تجویزی کی گئی
تھی اس میں شیک وقت پر قاتلوں کا گروہ اپنی ڈیوٹی پر پہنچ بھی گیا، لیکن ان کا ہاتھ پڑنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آنکھوں
میں خاک جھونک کر نکل گئے اور ان کی بھی بنائی تکہ بیر عین وقت پر تاکام ہو کر رکھئی۔

أَسَاطِيرُ الْوَرَلِينَ ۚ وَإِذْ قَاتُوا اللَّهُمَّ أَنْ كَانَ هَذَا
هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطُرْ عَلَيْنَا رِجَارَةً مِنَ السَّماءِ
أَوْ ائْتُنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعِذِّبَ بِهِمْ وَأَنْتَ
فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعِذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۚ
وَمَا لَهُمْ أَلَا يُعِذِّبُهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصْلُوونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرامِ

کہاں بھی جو پلے سے لوگ کہتے چلے آ رہے ہیں۔ اور وہ بات بھی یاد ہے جو انہوں نے کہی تھی کہ ”خدا یا اگر یہ واقعی حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پھر بر سادے یا کوئی در دنا ک عذاب ہم پر لے آ۔“ اس وقت تو اشداں پر عذاب نازل کرنے والا نہ تھا جبکہ تو ان کے درمیان موجود تھا۔ اور اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ ان کو عذاب دیدے۔ لیکن اب کیوں نہ وہ ان پر عذاب نازل کرے جبکہ وہ مسجد حرام کا راستہ روک رہے ہیں،

۲۷ یہ بات وہ دعا کے طور پر نہیں کہتے تھے بلکہ چیلنج کے انداز میں کہتے تھے۔ یعنی ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر واقعی یہ حق ہوتا اور خدا کی طرف سے ہوتا تو اس کے جعلانے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہم پر آسمان سے پھر بر سادے اور عذاب الیم ہماں اور پرلوٹ پڑتا۔ مگر جب ایسا نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ حق ہے نہ میں جانب اللہ ہے۔

۲۸ یہ ان کے اس سوال کا جواب ہے جو ان کی اوپر والی ظاہری دعائیں تنفس من تھا۔ اس جواب میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کی دوسریں کیوں عذاب نہیں بھیجا۔ اس کی تسلی دبیری تھی کہ جب تک بھی کسی بستی میں موجود ہو اور حق کی طرف دھوت دے رہا ہو اس وقت تک بستی کے لوگوں کو صلت دی جاتی ہے اور عذاب بیسج کر قبل از وقت ان سے اصلاح پربری کا موقع سلب نہیں کر لیا جاتا۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب تک بستی میں سے ایسے لوگ پے درپے نکلتے چلے آ رہے ہوں جو اپنی سابقہ غفلت اور غلط روی پر متینہ ہو کر اللہ سے معافی کی درخواست کرتے ہوں اور آئندہ کے لیے اپنے روئی کی اصلاح کر لیتے ہوں، اس وقت تک کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ اس بستی کو تباہ کر کے روک دے۔ البتہ عذاب کا اصل وقت وہ ہوتا ہے جب بھی اس بستی پر جگت پوری کرنے کے بعد بالیوس ہو کر دہاں سے نکل جائے یا انکاں دیا جائے یا قتل کر دیا جائے، اور وہ بنتی اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دے کہ وہ کسی صالح عنصر کو اپنے درمیان برداشت کرنے کے لیے

وَمَا كَانُوا أَولِيَاءَهُ طَرْنُ أَوْلِيَاءَهُ لَا الْمُتَقْوِنَ وَ لِكِنَّ
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ۳۴ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ
لَا مُكَافَةً وَ تَصْدِيرَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفِرُونَ ۝ ۳۵
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُتْعَذَّقُونَ أَمْوَالُهُمْ لِيُصْدِّرُوا عَنْ سَبِيلٍ

حالانکہ وہ اس مسجد کے جائز متوالی نہیں ہیں۔ اس کے جائز متوالی تو صرف اہل تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں،
مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے بیت اللہ کے پاس ان لوگوں کی نماز کیا ہوتی ہے، بس سیڈیاں
بجاتے اور تایاں پیٹھے ہیں پس اب لوہ اس عذاب کا مزہ چکھوائپے اُس انکار حق کی پاداش میں
جو تم کرتے رہے ہو۔ جن لوگوں نے حق کو مانتے سے انکار کیا ہے وہ اپنے مال خدا کے راستے سے

تیار نہیں ہے۔

۳۶ یہ اشارہ اس غلط فہمی کی تروید میں ہے جو لوگوں کے دلوں میں چھپی ہوئی تھی اور جس سے عام طور پر اہل عرب
و حموہ کا لکھا رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ قریش چونکہ بیت اللہ کے مجاہد اور متوالی ہیں اور وہاں عبادت بجالاتے ہیں اس لیے ان
پر اللہ کا فضل ہے۔ اس کے رو میں فرمایا کہ مخفی میراث میں مجاہدت اور تولیت پالیٹھے سے کوئی شخص یا گروہ کسی عبادت نگاہ
کا جائز مجاہد متوالی نہیں ہو سکتا۔ جائز مجاہد و متوالی تو صرف فدائیں اور پرہیزگار لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا حال
یہ ہے کہ ایک جماعت کو ہجوم عالم خدا کی عبادت کرنے والی ہے، اُس عبادت گاہ میں آنے سے رد کئے ہیں جو عالم خدا کی
عبادت ہی کے لیے وقف کی گئی تھی ساس طرح یہ متوالی اور خادم بن کر رہنے کے بجائے اس عبادت گاہ کے مالک بن بیٹھے ہیں
اور اپنے آپ کو اس بات کا مختار سمجھنے لگے ہیں کہ جس سے یہ ناراضی ہیں اس سے عبادت گاہ میں نہ آنے دیں۔ یہ حرکت ان کے
ناغذائیں اور ناپرہیزگار ہونے کی صرزخ دلیل ہے۔ سبھی ان کی عبادت جو رہہ بیت اللہ میں کرتے ہیں تو اس کے اندر نہ ہنخون
و خشور ہے، نہ توجہ الی اللہ ہے، نہ ذکر الہی ہے، بس ایک بیٹھنے میں شور و غل اور لمبڑا لعب ہے جس کا نام انہوں نے عبادت رکھ
چھوڑا ہے۔ ایسی نام نہاد خدمت بیت اللہ اور ایسی محرومی عبادت پر آخر یہ فضل الہی کے مستحق کیسے ہو گئے اور یہ بہیز انہیں
عذاب الہی سے کیونکہ محفوظ رکھ سکتی ہے؟

۳۷ وہ سمجھتے تھے کہ عذاب الہی صرف آسمان سے پھردنی شکل میں یا کسی اور طرح تو اسے فطرت کے ہیجان ہی
کی شکل میں آیا کرنا ہے۔ مگر بیان انہیں بتایا گیا ہے کہ جنگ بدرا میں اُن کی فیصلہ کن شکست، جس کی وجہ سے اسلام کے بیٹھنے والی

اللَّهُ فَسِيرُنِيفُوْنَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةٌ ثُمَّ يُغْلِبُونَ هُوَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ يُحْسِرُونَ ۝^{۳۶} لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَيْثَ مِنَ الطَّيْبِ وَ يَجْعَلَ الْخَيْثَ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَيُرْكِمَهُ جَهِيْعاً يُجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَئِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ ۝^{۳۷} قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرُ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ حَدَّرَنْ يَعْوُدُوا فَقَدْ مَضَتْ سُلْتُ الْأَوَّلِيَّنَ ۝^{۳۸} وَ قَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَ يَكُونَ الَّذِينَ كُلُّهُمْ

روکنے کے لیے صرف کر رہے ہیں اور ابھی اور خرچ کرتے رہیں گے۔ مگر آخر کا بھی کوششیں ان کے لیے پچھتاوے کا سبب بنیں گی، پھر وہ مغلوب ہوں گے، پھر یہ کافر جہنم کی طرف گھیر لائے جائیں گے تاکہ اللہ گندگی کو پاکیزگی سے چھانٹ کر الگ کرے اور ہر قسم کی گندگی کو ملا کر اکٹھا کرے پھر اس پسندے کو جہنم میں جھونک دے۔ یہی لوگ اصل دیوالیے ہیں۔ ۴

اسے نبی مان کافروں سے کہو کہ اگر اب بھی بازا آ جائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اس سے درگز کر دیا جائے گا، بلکن اگر یہ اسی پچھلی روشن کا اعادہ کریں گے تو گز شستہ قوموں کے ساتھ جو کچھ ہو چکا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

لے ایمان لانے والو، ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا

کارہ نہیں نظام جاہیت کے لیے موت کا فیصلہ ہوا ہے، دراصل ان کے حق میں اللہ کا عذاب بھی ہے۔

۳۸۔ اس سے بڑھ کر دیوالیہ پن اور یہی ہو سکتا ہے کہ انسان جس راہ میں اپنا تمام وقت تمام محنت تمام قابلیت اور پورا سماں نہیں رکھتا اس کی انتہا پر بیٹھ کر اسے معلوم ہو کہ وہ اسے سیدھی تباہی کی طرف سے آئی ہے اور اس راہ میں جو کچھ ہس نے کھایا ہے اس پر کوئی سوریا یا منافع پانے کے بجائے اسے اٹا جرمانہ ملکنا پڑے گا۔



لِلَّهِ فَإِنْ أَنْتُهُوا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ^{۳۹} وَإِنْ تَوْلُوا
فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَكُمْ نِعْمَةُ الْمَوْلَى وَنِعْمَةُ النَّصِيرٍ^{۴۰}
وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمَتْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ خُمُسُهُ
وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ^{۴۱}

الشہد کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ فتنہ سے رُک جائیں تو ان کے اعمال کا دیکھنے والا اللہ ہے، اور اگر وہ نہ مانیں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا سرپرست ہے اور وہ بہترین حامی و مددگار ہے۔ اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور تبعیموں اور مسیکتوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

۱۳۷ بیان پھر مسلمانوں کی جنگ کے اُسی ایک مقصد کا اعادہ کیا گیا ہے جو اس سے پہلے سورہ بقرہ آیت ۱۹۶ میں بیان کیا گیا تھا۔ اس مقصد کا سلسلی جزء یہ ہے کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور ابجا بی جزو یہ کہ دین بالکل اللہ کے نیے ہو جائے۔ بس بھی ایک اخلاقی مقصد ایسا ہے جس کے لیے وہنا اہل ایمان کے لیے جائز بلکہ فرض ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے مقصد کی روائی جائز نہیں ہے اور وہ اہل ایمان کو زیر بیان ہے کہ اُس میں کسی طرح حصہ لیں۔ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ، حواشی (۲۰۵ و ۲۰۶)

۱۳۸ بیان اس مال غنیمت کی تقیم کا قانون بتایا ہے جس کے متعلق تقریبہ کی ابتداء میں کہا گیا تھا کہ یہ اللہ کا انعام ہے جس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول بھی کو حاصل ہے۔ اب وہ فیصلہ بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ائمہ کے بعد تمام پابھی بر طرح کامال غنیمت لا کر امیر یا امام کے سامنے رکھ دیں اور کوئی چیز چھپا کر درکھیں۔ پھر اس مال میں سے پانچواں حصہ ان اغراض کے لیے نکال بیا جائے جو آیت میں بیان ہوتی ہیں، اور باقی چار حصے ان سب لوگوں میں تقسیم کر دیے جائیں جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا ہو۔ چنانچہ اس آیت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وہ ائمہ کے بعد اعلان فرمایا کرتے تھے کہ ان ہندوؤں کا مال غنائم کہ وانہ لیسے تیھا۔ اُن نصیبی معکوم الخمس والخمس م ردود علیکم فاددا الخبط والمعیبط و اکبر من ذلک و اصغر ولا تغلوا فان الغلو عاشر و ناسرا۔ یہ غلام نہمارے ہی لیے میں، میری اپنی ذات کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ بھر خمس کے اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح پر صرف کر دیا جاتا ہے لہذا ایک ایک سوئی اور ایک ایک تاکہ نک لا کر رکھ دد، کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپا کر نہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک ہے اور اس کا

إِنْ كُنْتُمْ أَمْنَثُرُ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدٍ نَّا يَوْمَ الْفُرْقَانِ
يَوْمَ الْتَّقَيَّ أَجْمَعِينَ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِذْ أَنْتُمْ
بِالْعُدُوَّةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدُوَّةِ الْقُصُوْيِّ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ
مِنْكُمْ وَكُوْنُ تَوَاعِدُ تُحْرُكُ لَا خِتَّلَ فَلَمْ تُمْرِ في الْمِيعَدِ وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ
اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا دُرْلِيْهُلَكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيْتَةٍ

اگر تم ایمان لائے ہو اس پر اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز، یعنی دو نوں فوجوں کی مذہبیہ کے دن، ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی (تیریہ حستہ بخوشنی ادا کرو)۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بادکروہ وقت جبکہ تم وادی کے اس جانب تھے اور وہ دوسری جانب پڑاؤ ڈائے ہوئے تھے اور قافلہ تم سے نیچے (ساحل) کی طرف تھا۔ اگر کہیں پہلے سے تمہارے اور ان کے دریان مقابلہ کی قرار داد ہو چکی ہوتی تو تم ضرور اس موقع پر پلوٹی کر جاتے، لیکن جو کچھ پیش آیا وہ اس بیسے تھا کہ جس بات کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا اسے ظہور میں لے آئئے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو

تیسرا دوسری خ ہے۔

اس تقسیم میں اللہ اور رسول کا حصہ ایک بھی ہے اور اس سے تقصید یہ ہے کہ خمس کا ایک جزو اعلاء، کلمۃ اللہ اور اقامۃ دین حق کے کام میں صرف کیا جائے

رشتہ داروں سے مراد بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھوڑی بھی کے رشتہ دار تھے کیونکہ جب آپ اپنا سارا وقت دین کے کام میں صرف فرماتے تھے اور اپنی معاش کے لیے کوئی کام کرنا آپ کے لیے ممکن نہ ہاتھ انہوں نے لامحالہ اس کا انتظام ہوتا چاہیے تھا کہ آپ کی اور آپ کے اپل دعیاں اور ان دوسرے اقریباً ہیں جن کی کفالت آپ کے ذمہ تھی، ضروریات بوری ہوں اس لیے خمس میں آپ کے اقریباً کا حصہ رکھا گیا۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ حضور کی دفاتر کے بعد ذمہ القربی کا بھی حصہ کس کو پہنچتا ہے ہایکٹ گروہ کی رائے یہ ہے کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ حصہ منسون خ ہو گیا اس دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ حضور کے بعد یہ حصہ اس شخص کے اقریباً کو پہنچے گا جو حضور کی جگہ خلافت کی خدمت انجام دے۔ تیسرا گروہ کے نزدیک یہ حصہ خانہ دن بہوت کے فقراء میں تقسیم کیا جانا رہے گا۔ جماں تک میں تھفت کر سکا ہوں خلفاء راشدین کے نزد میں اسی تبریزی رائے پر عمل ہوتا تھا۔



وَيَجِئُ مَنْ سَحَّ عَنْ بَيْنَةٍ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلَيْهِمْ ۝ ۲۲
وَبُرِيكُهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۚ وَلَوْ أَرَكُهُمْ كَثِيرًا لَفَتَشَّلُّمُ
وَلَتَنَازَعُنُّمُ فِي الْأَمْرِ وَلِكَنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلَيْهِ بِدَارَتِ
الصُّدُورِ ۝ ۲۳ وَإِذْ بُرِيكُهُمْ لَذِ التَّقِيلِمِ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا
وَبُقْلِلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۖ

اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہنے یقیناً خدا سُننے اور جانتے والا ہے۔
اور یاد کروہ وقت جبکہ اے نبی، خداون کو تمہارے خواب میں تھوڑا دکھارا چاہا۔ اگر کہیں
وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم لوگ ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے معاملہ میں جھگڑا شروع
کر دیتے، لیکن اللہ ہی نے اس سے تمہیں پچایا، یقیناً وہ سینوں کا حال تک جانتا ہے۔

اور یاد کرو جب کہ مقابلے کے وقت خدا نے تم لوگوں کی نگاہوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا
اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے پیش کیا تاکہ جربات ہوئی تھی اُسے اللہ ظہور میں لے آئے،

۲۴ یعنی وہ تائید و نصرت جس کی بدولت تمہیں فتح حاصل ہوئی۔

۲۵ یعنی ثابت ہو جائے کہ جو زندہ رہا اسے زندہ ہی رہنا چاہیے تھا اور جو بڑا کہوا میںے ہلاک ہی ہونا چاہیے
تھا۔ یہاں زندہ رہنے والے اور ہلاک ہونے والے سے مراد افراد نہیں ہیں بلکہ اسلام اور جاہلیت میں۔

۲۶ یعنی خدا اندھا، بہرا، بیے خبر خدا نہیں ہے بلکہ دنما و بیبا ہے۔ اس کی خدائی میں اندھا صحت دکام
نہیں ہو رہا ہے۔

۲۷ یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر مدینہ سے نکل رہے تھے یا راستہ میں کسی
منزل پر تھے اور یہ تحقیق نہ ہوا تھا کہ کفار کا شکر فی الواقع کتنا ہے۔ اس وقت حضور نے خواب میں اس شکر کو دیکھا اور جو منظر
آپ کے سامنے پیش کیا گیا اس سے آپ نے اندازہ لگایا کہ دشمنوں کی تعداد کچھ بہت زیادہ نہیں ہے۔ یہی خواب آپ نے
مسلمانوں کو سنایا اور اس سے بہت پاک مسلمان آگے بڑھتے چلے گئے۔

وَإِلَيْهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيْتُمْ فِتْنَةً فَاتَّبِعُوهُ وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازِعُوا فَتَفْشِلُوا وَتَذَهَّبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرَّا ۝ وَرَأَيْتُمُ الظَّاكِرِينَ وَيَصِدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ

اور آخر کار سے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں ۴

اے ایمان لائے والو، جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، تو قعہ ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑہ نہیں درنہ تمہارے اندر مکروہی پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھر طبعاً جائے گی جبھر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور ان لوگوں کے سے زنگ ڈھنگنے اختیار کرو جو اپنے گھروں سے اڑتا ہے اور لوگوں کو اپنی شان دکھلتے ہوئے نکلے اور جن کی روشن یہ ہے کہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔

۳۷ یعنی اپنے جذبات و خواہشات کو قابو میں رکھو۔ جلد بازی، گمراہی، بہراس، طمع اور نامناسب جوش سنبھلو۔ شعند سے دل اور زخمی ہلی قوت فیصلہ کے ساتھ کام کرو خطرات اور شکلات سامنے ہوں تو تمہارے قدموں میں لغزش نہ آئے۔ اشتعال انگیز مواقع پیش آئیں تو غیظ و غضب کا ہیجان تم سے کھٹی بے محل حرکت سرزد نہ کرانے پائے۔ مصائب کا حلہ ہو اور حالات بگڑتے نظر آ رہے ہوں تو اضطراب میں تمہارے حواس پر اگنده نہ ہو جائیں۔ حصول مقصد کے شوق سے بے قرار ہو کر یا کسی نہیں پختہ تکہیر کو سرسری نظریں کارگردی کر کر تمہارے ارادے شتاب کاری سے مغلوب نہ ہوں۔ اور لاکر گھمی دینیوی فرائد و منافع اور لذات نفس کی ترغیبات نہیں اپنی طرف بُھار ہی ہوں تو ان کے مقابلہ میں بھی تمہارا نفس اس درجہ مکروہ نہ ہو کر یہ اختیار ان کی طرف کچھ جاؤ۔ یہ تمام مفہومات صرف ایک لفظ "صبیر" میں پوشیدہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ان تمام جیثیات سے صابر ہوں، میری تائیداً نہیں کر حاصل ہے۔

۳۸ اشارہ ہے کفار قریش کی طرف، جن کا شکر مکہ سے اس شان سے نکالنا کا کرنے بجائے والی لوندیاں ساتھ نہیں، جگہ جگہ شہیر کر قص و سر دا اور شراب نوشی کی مغلیں برپا کرتے جا رہے تھے، جو جو قبیلے اور قریبے راستے میں ملتے تھے

وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ هُجِيبٌ ۝ وَإِذْ رَأَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ
أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَاءُ
كُمْ فَلَمَّا تَرَءَتِ الْفِتْنَةُ نَكَصَ عَلَىٰ عِقْدِيهِ وَقَالَ

جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔

ذریخاں کرو اس وقت کا جب کہ شیطان نے ان لوگوں کے کروت ان کی لگاہوں میں خشنا
باکر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور یہ کہ میں تمہارے
ساتھ ہوں۔ مگر جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ اُسے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ

ان پر اپنی طاقت دشوکت اور اپنی کثرت تعداد اور اپنے سر و سامن کا رعب جھاتے تھے اور ڈینگیں مارتے تھے کہ علاجہار سے مقابلہ میں کون
سر اچھا سکتا ہے۔ یہ تو مخفی ان کی اخلاقی حالت۔ اور اس پر مزیدہ لعنت یہ تھی کہ ان کے نکلنے کا مقصد ان کے اخلاق سے بھی زیادہ
نیا پاک تھا۔ وہ اس بیٹے جان و مال کی بازی لگانے تھیں نکلے تھے کہ حق اور راستی اور انصاف کا علم یافتہ ہو، بلکہ اس بیٹے نکلے تھے
کہ ایسا نہ ہونے پاٹے، اور وہ اکیلا گردہ بھی جو دنیا میں اس مقصد حق کے لیے اٹھا بھے ختم کر دیا جائے تاکہ اس علم کو اٹھانے والا دنیا
بھر میں کوئی نہ رہے۔ اس پر مسلمانوں کو شنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم کہیں ایسے نہیں جانا۔ تمہیں اللہ نے ایمان اور حق پرستی کی جو نعمت
عطائی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمہارے اخلاق بھی پاکیزہ ہوں اور تمہارا مقصد حنگ بھی پاک ہو۔

بیہ بلاست اُسی زمانہ کے لیے نہ تھی آج کے لیے بھی ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ کفار کی فوجوں کا جو حال اس وقت
تھا وہ بھی آج بھی ہے۔ تجھہ خانے اور فواحش کے اُسے اور شراب کے پیپے ان کے ساتھ جزو لا نیک کی طرح لگے رہتے ہیں خفیہ
طور پر نہیں بلکہ علی الاعلان نہایت بے شری کے ساتھ وہ حور توں اور شراب کا زیادہ راشن مانگتے ہیں اور ان کے پیامبر
کو خود اپنی قوم ہی سے یہ مطالبہ کرنے میں براک نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو بڑی سے بڑی تعداد میں ان کی شموات کا حصہ ناگزیر
کے لیے پیش کرے۔ پھر بھلا کوئی دوسری قوم ان سے کیا امید کر سکتی ہے کہ یہ اس کو اپنی اعلانی گندگی کی سڑاس بنانے میں کوئی کسر
امکھار کیسیں گے۔ وہاں کا نکبر اور نفا خرتوں کے ہر سچا ہی اور ہر افسر کی چال و حوال اور انہا زگفتگویں وہ نمایاں دیکھا جا سکتا ہے
اور ان میں سے ہر قوم کے مدد برین کی تقریروں میں لا غالب لکھا ہوا در من اشد مناقوتہ کی ڈینگیں سُنی جا سکتی ہیں۔
ان اخلاقی نہایتوں سے زیادہ نیا پاک ان کے مقاصد حنگ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نہایت مکاری کے ساتھ دنیا کو تعین داتا ہے
کہ اس کے پیش نظر انسانیت کی فلاج کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مگر در حقیقت ان کے پیش نظر ایک فلاج انسانیت بھی نہیں ہے، باقی
سب کچھ ہے۔ ان کی روائی کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا نے اپنی زمین میں جو کچھ سارے انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے اس پر تنہما

إِنِّي بَرِئٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَسْأَى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ طَوْبٌ وَاللَّهُ شَرِيكُ الْعِقَابِ ۝ إِذْ يَقُولُ الْمُنْفَقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرْضٌ غَرَّ هُؤُلَاءِ دِينُهُمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلِائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرُقِ ۝ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُ أَيْدِيهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَامٍ

میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے، مجھے خدا سے ڈر گتا ہے اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔ جب کہ منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں کو روگ لگا ہوا ہے، کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو قوان کے دین نے خبط میں مُبْتَدَأ کر رکھا ہے۔ حالانکہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو یقیناً اللہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔ کاش تم اُس حالت کو دیکھ سکتے جبکہ فرشتے مقتول کافروں کی روچیں قبض کر رہے تھے۔ وہ ان کے چھروں اور ان کے کوٹھوں پر ضربیں لگاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "لواب جلنے کی سزا بھگتو یہ وہ جزا ہے جس کا سامان تمہارے اپنے ہاتھوں نے پیشی کیا کہ رکھا تھا، ورنہ اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا"

ان کی قوم تصرف ہوا در درسرے اس کے چار اور دوست نگریں کر رہیں۔ پس اب ایمان کو قران کی یہ دلائل بدلتی ہے کہ ان فسان دنجوار کے طور طریقوں سے بھی بچپن اور ان ناپاک مقاصد میں بھی اپنی جان دمال کھلانے سے پر بھیز کریں جن کے لیے یہ لوگ رہتے ہیں۔

۳۹ یعنی مدینہ کے منافقین اور وہ سب لوگ جو دنیا پرستی اور خدا سے غفلت کے مرض میں گرفتار رہے، یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کی شہی بھروسے سرو سامان جماعت فریض جیسی زبردست طاقت سے نکرانے کے لیے جا رہی ہے، اپس میں کہتے تھے کہ یہ لوگ اپنے دینی جوش میں دیوانے ہو گئے ہیں، اس صورت میں ان کی تباہی یقینی ہے، مگر اس بھی نے کچھ ایسا افسوس ان پر چھپنک رکھا ہے کہ ان کی عقل خبط ہو گئی ہے اور انکھوں دیکھیے یہ موت کے منہ میں چلے جا رہے ہیں۔

لِلْعَيْدِ^{٤١} كَذَابٌ أَلِ فِرْعَوْنٌ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كُفَّارٌ وَ
 يَا أَيُّتِ اللَّهِ فَآخِذْهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُذْكُرُ نُورٍ هُمْ شَدِيدُونَ
 الْعَقَابِ^{٤٢} ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُنْ مُغَيْرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا
 عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ
 عَلِيهِمْ^{٤٣} كَذَابٌ أَلِ فِرْعَوْنٌ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ طَكَبُوا
 يَا أَيُّتِ سَرَّهُمْ فَآهَلَكْنَاهُمْ بِذِنْبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا أَلَّ
 فِرْعَوْنَ وَكُلَّ كَانُوا ظَلَمِيْنَ^{٤٤} إِنَّ شَرَ الدَّوَابِتِ عِنْدَ
 اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ^{٤٥} الَّذِينَ عَاهَدُوا

نہیں ہے۔ یہ معاملہ ان کے ساتھ اسی طرح پیش آیا جس طرح آل فرعون اور ان سے پہلے کے دوسرے
 لوگوں کے ساتھ پیش آتا رہا ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو مانتے سے انکار کیا اور اللہ نے ان کے
 گناہوں پر انہیں بکڑ لیا۔ اللہ قوت رکھتا ہے اور سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ اللہ کی اس سنت کے
 مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم
 خود اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدل دیتی۔ اللہ سب کچھ سنبھل سنبھل کر کے مطابق تھا۔ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلا یا تب
 کی قوموں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ اسی ضابطہ کے مطابق تھا۔ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلا یا تب
 ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میراں بیکار کیا اور آل فرعون کو غرق کر دیا۔ یہ سب ظالم لوگ تھے
 یقیناً اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والی مخلوق میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو مانتے سے
 انکار کر دیا پھر کسی طرح وہ اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ (خطو صاحب) ان میں سے وہ لوگ جن کے ساتھ

نہ ہیں جب تک کوئی قوم اپنے آپ کو پوری طرح اللہ کی نعمت کا غیر مستحق نہیں بنادتی اللہ اس سے اپنی نعمت

مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَ
هُمْ لَا يَتَّقُونَ ۝ فَإِنَّمَا تَنْقُضُهُمْ فِي الْحَرْبِ فَسَرَّدُوهُ

تو نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر موقع پر اس کو توڑتے ہیں اور ذرا خدا کا خوف نہیں کرتے۔

پس اگر یہ لوگ تمیں ڈائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے بعد جو دوسرے لوگ ایسی وش

سلب نہیں کیا کرتا۔

لکھ یہاں خاص طور پر اشارہ ہے یہود کی طرف۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے انہی کے ساتھ حسن جو اور باہمی تعاون دینے والے کاری کامعاہدہ کیا تھا اور اپنی حد تک پوری کوشش کی تھی ان سے خون لکوار تعلقات قائم رہیں۔ نیز دینی حیثیت سے بھی آپ یہود کو مشرکین کی بہنیت اپنے سے قریب تر سمجھتے تھے اور ہر معاملہ میں مشرکین کے بال مقابل اہل کتاب بھی کے طریقہ کر تیزیج دیتے تھے۔ لیکن ان کے علماء اور مشائخ کو توحید خالص اور اخلاق صالحة کی وہ تبلیغ اور اعتقادی عملی گمراہیوں پر وہ تنقید اور اقامت دین حق کی وہ سعی با جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے، ایک آن نہ بھاٹ تھی اندر ان کی پیغم کوشش یہ تھی کہ یہ نئی تحریک کسی طرح کا سبب نہ ہونے پائے۔ اسی مقصد کے لیے وہ مدینہ کے منافق مسلمانوں سے ساز باز کرتے تھے۔ اسی کے لیے وہ اوس اور خرزج کے لوگوں میں ان پر ای عداد توں کو بھڑکاتے تھے جو اسلام سے پہلے ان کے درمیان کشت دخون کی موجہ ہوا کرتی تھیں۔ اسی کے لیے قریش اور دوسرے مخالف اسلام قبیلوں سے ان کی خفیہ سازیں جل رہی تھیں اور یہ سب حرکات اُس معاہدہ دوستی کے باوجود اور ہر ہی تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان لکھا جا چکا تھا۔ جب جنگ بدر واقع ہوئی تو ابتداء میں ان کو توقع تھی کہ قریش کی پہلی ہی چوری اس تحریک کا خاتمه کر دے گی۔ لیکن جب تیجہ ان کی ترقیات کے خلاف نکلا تو ان کے مینوں کی آتش حسد اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے اس اندیشہ سے کہ بدیک فتح کیمیں اسلام کی طاقت کو ایک مستقل و مختصرہ مانہے بنا دے اپنی مخالفانہ کوششوں کو تیزیز کر دیا۔ حتیٰ کہ ان کا ایک بیڈر کعب بن اشرف (جو قریش کی شکست سنتے ہی جنگ اٹھا تھا کہ آج زمین کا پیٹھ ہمارے لیے اُس کی پیٹھ سے بہتر ہے) خود مکر گیا اور وہاں اس نے ہیجان انگیز مرثیت کر کہ کر قریش کو اسقام کا جوش دلایا۔ اس پر بھی ان لوگوں نے بس نہ کی۔ یہودیوں کے قبیلہ بنی قینقاع نے معاہدہ حسن جوار کے خلاف ان مسلمان عورتوں کو چھپیر ناشردی کیا جو ان کی بستی میں کسی کام سے جاتی تھیں۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حرکت پر علامت کی تو انہوں نے جواب میں دھمکی دی کہ یہ قریش نباشد، ہم اڑنے مرنے والے لوگ ہیں اور اڑنا جانتے ہیں۔ ہمارے مقابلوں میں آؤ گے تب تمیں پتہ چلے گا کہ مرد کیسے ہوتے ہیں یہ

۱۷۰ مَنْ خَلَقْهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قُوَّةٍ
خِيَانَةً فَأَنْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْخَاطِئِينَ ﴿١٨﴾ وَلَا يَحِسِّبُنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا طَ

اختیار کرنے والے ہوں ان کے حواس باختہ ہو جائیں۔ توقع ہے کہ بعد محدود کے اس انجام سے وہ بین لیں گے۔ اور اگر کبھی بتیں کسی قوم سے بخانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معابرے کو علاویہ اس کے لئے چینک دو تھیں ایسا خائنوں کو پسند نہیں کرتا منکر ہیں حق اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ بازی لے گئے

۲۳۵ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی قوم سے ہمارا معابرہ ہو اور پھر وہ اپنی معابرہ نہ ذمہ دار یوں کوئی پشت مذاہ کرنا ہے تو خلاف کسی جنگ میں حصہ لے تو ہم بھی معابرے کی اخلاقی ذمہ داریوں سے بُک روشن ہو جائیں گے اور ہمیں حق ہو گا کہ اس سے جنگ کریں۔ نیز اگر کسی قوم سے ہماری لڑائی ہو رہی ہو اور ہم دیکھیں کہ دشمن کے ساتھ ایک ایسی قوم کے انزاد بھی نہیں کیے جنگ ہیں جس سے ہمارا معابرہ ہے، تو ہم ان کو قتل کرنے اور ان سے دشمن کا سامانہ کرنے میں بہرگز کوئی شامل نہ کریں گے، کیونکہ انہوں نے اپنی انفرادی جیتیت میں اپنی قوم کے معابرے کی خلاف درزی کر کے اپنے آپ کو اس کا سختق نہیں رہنے دیا ہے کہ ان کی جان و مال کے معاملہ میں اس معابرے کا احترام محفوظ رکھا جائے جو ہمارے اور ان کی قوم کے درمیان ہے۔

۲۳۶ اس آیت کی رو سے ہمارے لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ اگر کسی شخص یا گروہ یا ملک سے ہمارا معابرہ ہو اور ہمیں اس کے طرزِ عمل سے یہ شکایت لاحق ہو جائے کہ وہ ہمکی پابندی میں کوتا ہی برداشت رہا ہے ایسا یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ مخفی پاتے ہی ہمارے ساتھ غداری کر رہی ہے، تو ہم اپنی جگہ خود فیصلہ کر لیں کہ ہمارے اور اس کے درمیان معابرہ نہیں رہا اور یہ کا یک اس کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کرنا شروع کر دیں جو معابرہ نہ ہونے کی صورت ہی میں کیا جاسکتا ہو۔ اس کے عکس ہمیں اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو ہم کوئی مخالفانہ کارروائی کرنے سے پہلے فریقِ ثالث کو صاف صاف بتاویں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اب معابرہ باقی نہیں رہا، تاکہ فتح معابرہ کا جیسا علم ہم کو حاصل ہے دریا ہی اس کو بھی ہو جائے اور وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ معابرہ اب بھی باقی ہے۔ اسی فرمان اللہ کے مطابق بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی زینۃ الرحمہ کا یہ مستقل اصول قرار دیا تھا کہ من کان بینہ و بین قوم عرف فلا یحمل عقد کا حقیقی امداد اور یہ بند الیہم علی سواء۔ ”جس کا کسی قوم سے معابرہ ہو رہے چاہیے کہ معابرہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے عدد کا بینہ نہ کھوئے۔ یا نہیں قرآن کا عمدہ برادری کو محفوظ رکھتے ہوئے ان کی طرف پھینک دے“ ابھر اس قاعدے کو آپ نے اور زیادہ پھیلائ کر تمام معاملات میں عام اصول یہ قائم کیا تھا کہ لا تخفی من خانک۔ یہ تو تجویز سے خیانت کرے تو اس سے

خیانت نہ کر، اور یہ اصول صرف وغیرہ میں بیان کرنے اور کتابوں کی زینت بخشنے کے لیے نہ تھا بلکہ عمل نہ دگی میں بھی اس کی پابندی کی جاتی تھی چنانچہ ایک مرتباً جب امیر معاویہ نے اپنے محمد بادشاہی میں سرحد روم پر فوجوں کا اجتماع اس غرض سے کرنا شروع کیا کہ معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہیں یا کیا یک رومی علاقہ پر حملہ کر دیا جائے تو ان کی اس کارروائی پر عمر بن عقبہ صحابیؓ نے سخت احتجاج کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی حدیث سن لیا کہ معاہدہ کی مدت کے اندر یہ معاہدہ نہ طرز عمل اختیار کرنا غداری ہے۔ آخر کار امیر معاویہ کو اس اصول کے آئے سر جھک کا دینا پڑا اور سرحد پر اجتماع فوج روک دیا گیا۔

یک طرف فتح معاہدہ اور اعلان جنگ کے بغیر حملہ کر دینے کا طریقہ قدمیں جاہلیت میں بھی تھا اور زمانہ حال کی مہذب جاہلیت میں بھی اس کاررواج موجو در ہے چنانچہ اس کی تازہ ترین مثالیں جنگ عظیم میں روس پر ہرمنی کے حملے اور ایران کے خلاف روس و برطانیہ کی فوجی کارروائی میں دیکھی گئی ہیں۔ عموماً اس کارروائی کے لیے یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ حملہ سے پہلے مطلع کر دینے سے دوسرا افریقی ہوشیار ہو جاتا اور سخت مقابله کرتا، یا اگر ہم مداخلت نہ کرتے تو ہمارا دشمن فائدہ اٹھایتا لیکن اس قسم کے بھانے اگر اخلاقی ذمہ داریوں کو ساتھ کر دینے کے لیے کافی ہوں تو پھر کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی بھانے نہ کیا جاسکتا ہو۔ ہر چور، ہر ڈاکو، ہر زانی، ہر قائل، ہر جعل ساز اپنے جرائم کے لیے ایسی ہی کوئی مصلحت بیان کر سکتا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ میں الاقوامی سوسائٹی میں قمروں کے لیے اُن بہت سے افعال کو جائز سمجھتے ہیں جو خردان کی نگاہ میں حرام ہیں جبکہ ان کا ارتکاب قومی سوسائٹی میں افراد کی جانب سے ہو۔

اس موقع پر یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ اسلامی قانون صرف ایک صورت میں بلا اطلاع حملہ کرنے کو جائز رکھتا ہے، اور وہ صورت یہ ہے کہ فریق ثانی علی الاعلان معاہدہ کو توڑ چکا ہو اور اس نے صريح طور پر ہمارے خلاف معاہدہ کارروائی کی ہو۔ ایسی صورت میں یہ ضروری نہیں رہتا کہ ہم اسے آئیت مذکورہ بالا کے معنوں فتح معاہدہ کا نوٹس دیں بلکہ ہمیں اس کے خلاف بد اطلاع جنگی کارروائی کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ فقہاء اسلام نے یہ استثنائی حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے نکالا ہے کہ قریش نے جب بني خزاعہ کے معاملہ میں صلح حدد پیش کر علانية تو ماریا تو آپ نے پھر انہیں فتح معاہدہ کا نوٹس دیتے کل کوئی ضرر نہ سمجھی، بلکہ بلا اطلاع مکہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن اگر کسی موقع پر ہم اس قاعدہ استثناء سے خارج ہو اٹھانا چاہیں تو لازم ہے کہ وہ تمام حالات ہمارے پیش نظر ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کارروائی کی تھی، تاکہ پیر دی ہو تو آپ کے پورے طریقہ کی ہو نہ کہ اس کے کسی ایک عقیدہ مطلب جزو کی۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ:

اولاً، قریش کی خلاف ورزی عمد ایسی صرح تھی کہ اس کے نقض عمد ہونے میں کسی کلام کا موقع نہ تھا۔ خود قریش کے لوگ بھی اس کے معرف تھے کہ واقعی معاہدہ قوٹ گیا ہے۔ انہوں نے خود اب سفیان کو تجدید عمد کے لیے مدینہ جو چیجا تھا جس کے صاف معنی یہ تھے کہ اُن کے زدیک بھی عمد باقی نہیں رہا تھا۔ تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ ناقض عمد قوم کو خود بھی اپنے نقض عمد کا اعتراف ہو۔ البته یہ یقیناً ضروری ہے کہ ناقض عمد بالکل صريح اور غیر مستحبہ ہو۔

ثانیاً، نبی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ان کی طرف سے عمد قوٹ جانے کے بعد پھر اپنی طرف سے صراحت یا اشارہ دکنایا۔ ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے یہ ایما نکلتا ہو کہ اس بدعدی کے باوجود آپ ابھی تک اُن کو ایک معاہدہ قوم سمجھتے ہیں اور ان کے

إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۝ وَأَعْدُوا لَهُمْ مَا أُسْتَطِعُهُمْ مِنْ قُوَّةٍ
وَمِنْ سَبَاطِ الْخَيْلِ نُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوُّكُمْ وَ
آخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُفْقِدُونَ
مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝

یقیناً وہ ہم کو ہر انہیں سکتے۔

اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلنے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے میتار کھوتا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دیجئیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہو گا۔

ساختاپ کے معاملہ انہوں روایت اب بھی قائم میں۔ تمام روایات بالاتفاق یہ بنائیں کہ حبیب البرسفیان نے مدینہ اگر تجدید معاهدہ کی درخواست پیش کی تو آپ نے اسے قبول نہیں کیا۔

ثانی، فریش کے خلاف جنگی کا ردائل آپ نے خود کی اور حکم کھلا کی۔ کسی ایسی فریب کاری کا شائزہ نہ کہ آپ کے طرز عمل میں نہیں پایا جاتا کہ آپ نے بظاہر صلح اور بیاضن جنگ کا کوئی طریقہ استعمال فرمایا ہو۔ یہ اس معاملہ میں نبی صل اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے، اللہ اذ ایت مذکورہ بالا کے حکم عام سے ہبہ کر اگر کوئی کا ردائل کی جاسکتی ہے تو ایسے ہی مخصوص حالات میں کی جاسکتی ہے اور اسی سیرھے شریفانہ طریقہ سے کی جاسکتی ہے جو حضور نے اختیار فرمایا تھا۔

مزید برداں اگر کسی معابر قوم سے کسی معاملہ میں ہماری زیاد ہو جائے اور ہم دیکھیں کہ گفت دشیید یا بین الاقوامی ثالثی کے ذریعہ سے وہ زیاد طے نہیں ہوتی، یا یہ کہ فرقی ثالثی اس کو بزرگتر کرنے پر تلاہو ہو ابھے، تو ہمارے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ ہم اس کوٹے کرنے میں طاقت استعمال کریں، لیکن آیت مذکورہ بالا ہم پر یہ اخلاقی ذمہ داری عائد کرتی ہے کہ ہمارا یہ استعمال طاقت صاف صاف اعلان کے بعد ہونا چاہیے اور حکم کھلا ہونا چاہیے۔ چوری چھپے ایسی جنگی کا ردائل کرنا جن کا علاوہ اقتدار کرنے کے لیے ہم تیار نہ ہوں، ایک بد اخلاقی ہے جس کی تعلیم اسلام نے ہم کو نہیں دی ہے۔

لکھ اس سے مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس سامان جنگ اور ایک مستقل فوج (Standing army) ہر دفت

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسلُّمِ فَاجْنِحْهُ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ
هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدُعُوكَ فَإِنَّ
حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيْدَكَ بِنَصْرِهِ وَرِبُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝
۶۲ وَآلَفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْا نِفَقَتْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا
مَا آلَفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلِكُنَّ اللَّهَ أَلَفَ بَيْنَ رُبُوبِهِمْ ۚ إِنَّهُ

اور اے تی، اگر دشمن صلح وسلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو ایقیناً وہی سب کچھ کرنے اور جانتے والا ہے۔ اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے لیے اللہ کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور موننوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی اور موننوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے۔ تم روئے زمین کی ساری دلت بھی خرچ کر دالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوئے ایقیناً وہ

تیار ہنی چاہیے تاکہ بر قوت ضرورت فوراً جنگی کا روزانی کر سکو۔ یہ نہ ہو کہ خطرہ سر پر آنے کے بعد گھبراہستے میں جلدی جلدی رضا کار اور اسلحہ اور سامان رسد جمع کرنے کی کوشش کی جائے اور اس اثناء میں کہ یہ تیاری مکمل ہو، دشمن اپنا کام کر جائے۔

۵۳ ۴۷ یعنی ہیں الاقوامی معاملات میں تمہاری پالیسی بزرگانہ نہیں ہمنی چاہیے بلکہ خدا کے بھروسہ پر بہادرانہ اور دیوانہ ہوں چاہیے۔ دشمن جب گفتگو شے مصالحت کی خواہش ظاہر کرے ہے نہ کلت اس کے لیے تیار ہو جاؤ اور صلح کے لیے ہاتھ بڑھانے سے اس بنا پر انکار نہ کر دکھ نیک نیتی کے ساتھ صلح نہیں کرنا چاہتا بلکہ غداری کا رادہ رکھتا ہے۔ کسی کی نیت بہر حال یقینی طور پر سلووم نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ واقعی صلح ہی کی نیت رکھتا ہو تو تم خواہ محراہ اس کی نیت پر شبہ کر کے خوزیری کو طول کروں دو۔ اور اگر وہ غدر کی نیت رکھتا ہو تو نہیں خدا کے بھروسے پر بہادر ہونا چاہیے۔ صلح کے لیے بڑھنے والے ہاتھ کے جواب میں ہاتھ بڑھا تاکہ تمہاری اخلاقی برتری ثابت ہو اور رُلائی کے لیے اٹھنے والے ہاتھ کو اپنی قوت باز دے سے تو مذکور چینیک دو تاکہ کبھی کتنی غدار قوم نہیں زم چارہ سمجھنے کی جرأت نہ کرے۔

۵۴ ۴۸ اشارہ ہے اس بھائی چارے اور الافت و محبت کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والے اہل عرب کے درمیان پیدا کر کے ان کو ایک مخصوص طبقہ بنادیا تھا، حالانکہ اس جمیٹے کے افراد اُن مختلف قبیلوں سے تھے ہوئے تھے جن کے درمیان

عَنْ بُرْ حَكِيمٍ ۝ يَا يَا هَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ ۝ يَا يَا هَا النَّبِيُّ حَرَضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ
إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَدِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَإِنْ يَكُنْ
مِنْكُمْ قِمَّةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّهُمْ قَوْمٌ
لَا يَعْقِلُونَ ۝ أَلْعَنَ حَقْفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلَمَ أَنَّ فِيكُمْ

بڑا زبردست اور دانا ہے۔ اسے بھی تمہارے لیے اور تمہارے پیرو راہل ایمان کے لیے تو بس اللہ کافی ہے ॥

اسے بھی، مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔ اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دوسرا پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری ریہیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھنیں رکھتے۔ اچھا، اب اللہ نے تمہارا بوجہ ملکا کیا اور اسے معلوم ہوا کہ ابھی نہیں میں

صدیوں سے دشمنیاں چل آ رہی تھیں خصوصیت کے ساتھ اللہ کا یفضل اوس دختر رج کے معاملوں میں تو سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ یہ دلوں قبیلے دو ہی سال پہلے تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور مشورہ جنگ بُداث کو کچھ زیادہ دن نہیں گزرا سکتے جس میں اوس نے خزر رج کو اور خزر رج نے اوس کو گویا صفحہ ہستی سے مٹا دیتے کا تحریر کر لیا تھا۔ ایسی شدید عداوتوں کو دو تین سال کے اندر گھری دوستی دبادری میں تبدیل کر دینا اور ان متنا فرا جزا کو جوڑ کر ایسی ایک بیان مخصوص بنادینا جیسی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلامی جماعت تھی، یقیناً انسان کی طاقت سے بالاتر تھا اور نبی اس اباب کی مدد سے یہ عظیم الشان کارنا مہ انعام نہیں پاسکتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جبکہ ہماری تائید و نصرت نہ ہے کچھ کر دکھا یا ہے تو آئندہ بھی تمہاری نظر نبیوی اس اباب پر نہیں بلکہ خدا کی تائید پر ہوتی چاہیے کہ جو کچھ کام بننے کا اسی سے بننے گا۔

یہ آج کل کی اصطلاح میں جس چیز کو قوت معنوی یا قوت اخلاقی (Morale) کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسی کو فقدر فهم اور سکھ لے جوہ (Understanding) سے تعبیر کیا ہے، اور یہ لفظ اس فہم کے لیے جدید اصطلاح سے نیا نہ سائنس کہ ہے۔ جو شخص اپنے مقصد کا صحیح شور رکھتا ہو اور مخفیہ دل سے خوب سوچ سکھ کر اس لیے لا رہا ہو کہ جس چیز کے لیے وہ جان کی باری لگانے آیا ہے وہ اس کی الفرادی زندگی سے زیادہ قیمتی ہے اور اس کے نتائج ہو جانے کے بعد جیسا بے قیمت ہے،

ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مَائِعَةٌ صَارِبَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَ
إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ يَرَدْنَ اللَّهُ وَاللَّهُ مَعَ
الصَّابِرِينَ ۝^{۶۴} مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى
يُتْخَذَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا قَوْمًا وَاللَّهُ يُرِيدُ

کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ دوسرے اور ہزار آدمی ایسے ہوں تو دو ہزار پر
اللہ کے حکم سے غالب ہیں گے، اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔
کسی نبی کے لیے یہ بیان نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنی
کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے کے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر

وہ بے شوری کے ساتھ رہنے والے آفی سے کئی گز زیادہ طاقت رکھتا ہے اگرچہ جسمانی طاقت میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ ہو۔
پھر جس شخص کو حقیقت کا شور حاصل ہو، جو اپنی مستی اور خدا کی مستی اور خدا کے ساتھ اپنے تعلق اور حیات دنیا کی حقیقت اور
موت کی حقیقت اور حیات بعد الموت کی حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہو، اور جسے حق اور باطل کے فرق اور غیر باطل کے نتائج کا بھی صحیح
اور اک ہو، اس کی طاقت کو تو وہ لوگ بھی نہیں پہنچ سکتے جو فرمیت یا مطہریت یا طلاقانی زراع کا شور یہ ہوئے میدان میں آئیں یہی
یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک بھروسہ بوجھ رکھنے والے مومن اور ایک کافر کے درمیان حقیقت کے شور اور عدم شور کی وجہ سے نظرہ ایک اور دوں
کی نسبت ہے۔ لیکن یہ نسبت صرف بھروسہ سے قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ صبر کی صفت بھی ایک لازمی شرط ہے۔

^{۶۵} اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے ایک اور دوں کی نسبت تھی اور اب جو نکہ تم میں کمزوری اگئی ہے اس یہ ایک اور
دو کی نسبت قائم کر دی گئی ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اصولی اور معیاری جیشیت سے توابیل ایمان اور کفار کے درمیان
ایک اور دوں ہی کی نسبت ہے، لیکن چونکہ ابھی تم لوگوں کی اخلاقی تربیت کامل نہیں ہوئی ہے اور ابھی تک تمہارا شور اور غماری
بھروسہ کا پہیا نہ بلوغ کی حد کو نہیں پہنچا ہے اس لیے مردست بر بیل نزل تم سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے سے دو گزی طاقت سے
ملکرانے میں تو تمیں کوئی تاثل نہ ہونا چاہیے۔ خیال رہے کہ یہ ارشاد سے جو گہرا ہے جبکہ مسلمانوں میں بہت سے لوگ ابھی تازہ تازہ
ہی داخل اسلام ہوئے تھے اور ان کی تربیت ابتدائی حالت میں تھی۔ بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں یہ لوگ پختگی کو
پہنچ گئے تو فی الواقع ان کے اور کفار کے درمیان ایک اور دوں ہی کی نسبت قائم ہو گئی ہچنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر محمد اور
خلفاء راشدین کے زمانہ کی لڑائیوں میں ہارہا اس کا تجربہ ہوا ہے۔

الْأُخْرَةِ وَ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كَاتَبَ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ
لَهُ سَكُونٌ فِيهَا أَخْذُنَاهُ عَذَابَ عَظِيمٍ ۝ فَكُلُوا مِمَّا عَنْتُمْ
حَلَالًا طَيِّبًا ذَلِيلًا وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نو شتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے
بیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ
حلال اور پاک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ درگزر نے والا اور رحم فرمائے والا ہے ۱۹

۲۹ اس آیت کی تفسیر میں اہل تاویل نے جو روایات بیان کی ہیں وہ یہ ہیں کہ جنگ بدرا میں شکر قریش کے ہدوگ گرفتار
ہوتے تھے ان کے متعلق بعد میں مشورہ ہوا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت ابو بکر رضی رائے دی کفریہ سے کچھ عذر دیا
جائے، اور حضرت عمر رضی کہا کہ قتل کر دیا جائے۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی رائے قبل کی اور فدریہ کا ماملہ طے کر دیا۔
اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات بیطور عتاب نازل فرمائیں۔ مگر مفسرین آیت کے اس فقرے کی کوئی معقول تاویل نہیں کر سکے ہیں کہ اگر
اللہ کا نو شتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا یا وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تقدیر الہی ہے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ ارادہ فرمائچکا تھا کہ
مسلمانوں کے بیٹے غنائم کو حلال کر دے گا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب تک وحی نشریعی کے ذریعہ سے کسی چیز کی اجازت نہ دی گئی ہو،
اس کا لینا جائز نہیں ہو سکتا۔ پس بنی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت پوری اسلامی جماعت اس تاویل کی رو سے گناہ گار قرار پاتی ہے اور
ایسی تاویل کو اخبار احادیث کے اعتبار پر قبل کر لینا ایک بڑی ہی سخت بات ہے۔

میرے زدیک اس مقام کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدرا سے پہلے سورہ محمد میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی پڑائیات دی گئی
تھیں، ان میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ فَلَمَّا ذَلِكَ يَقِيْنُوا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاضْطَرَبَ الْوَقَابُ حَتَّىٰ إِذَا أَنْخَنُتُمُوهُمْ فَشُدُّوا
الْوَقَابَ فَإِمَّا مَمْتَأً بَعْدَ وَلَمَّا فَدَأْتُهُ حَتَّىٰ تَضَعَمَ الْحَدْبُ أَذْلَاهَا (آیت ۳۶) اس ارشاد میں جعلی قیدیوں سے
نذریہ وصول کرنے کی اجازت تو دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے پھر
قیدی پکڑنے کی فکر کی جائے۔ اس فرمان کی رو سے مسلمانوں نے بدرا میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو فدریہ وصول کیا وہ
تحا تو اجازت کے مطابق، مگر غلطی یہ ہوئی کہ دشمن کی طاقت کو کچل دینے میں جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتا ہی کی گئی۔
جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گردہ غیمت رونٹے اور کفار کے آدمیوں کو کپڑا پکڑ کر باز حصے میں لگ گیا
اور بہت کم آدمیوں نے دشمنوں کا بچھ دوڑک تھا۔ حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت سے اُن کا مقابلہ کرتے تو قریش کی
طاقت کا اسی روذہ خاتمه ہو گیا ہوتا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ عتاب فرماتا ہے اور یہ عتاب بنی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيهِ كُفُّرٌ مِّنَ الْأَسْرَارِ إِنْ يَعْلَمُ
اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أَخْذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرُ
كُفُّورَكُمْ وَاللَّهُ عَفْوٌ عَنِ الْجِنُودِ ﴿٤﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقُدْ
خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلِ فَآمِنْ كَمْ مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ﴿٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ

اسے نبی اتم لوگوں کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہو اگر اللہ کو معلوم ہوا کہ تمہارے دلوں
میں کچھ خیر ہے تو وہ تمہیں اُس سے بڑھ چڑھ کر دے گا جو تم سے یا گیا ہے اور تمہاری خطائیں معاف
کرے گا، اللہ درگز رکرنے والا اور حکم فرمانے والا ہے۔ لیکن اگر وہ تیرے ساتھ خیانت کا ارادہ رکھتے
ہیں تو اس سے پہلے وہ اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں ہچنانچہ اسی کی سزا اللہ نے انہیں دی کہ وہ
تیرے قابو میں آگئے، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم ہے۔

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور هجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لٹایں اور اپنے

پڑھے۔ فرمان بارک کا منشایہ ہے کہ «تم لوگ ابھی بنی کے شمن کو اچھی طرح نہیں سمجھے ہو۔ بنی کا اصل کام یہ نہیں ہے کہ فدیے اور
غنا نہیں دھوکہ کر کے خزانے بھرسے بلکہ اس کے نسب العین سے جو چیز براہ راست تعلق رکھتی ہے وہ فرفیر یہ ہے کہ کفر کی طاقت
ٹوٹ جائے۔ مگر تم لوگوں پر بار بار دنیا کا لپیغ غالب ہو جاتا ہے۔ پہلے دشمن کی اصل طاقت کے بجائے قافلے پر حملہ کرنا چاہا، پھر
دشمن کا سر کچھنے کے بجائے غنیمت لوٹنے اور قیدی پکڑنے میں لگ گئے، پھر غنیمت پر جھگڑنے لگے۔ اگر ہم پہلے فدیہ دھوکہ کرنے
کی اجازت نہ دے پھر ہوتے تو اس پر نہیں سخت سزا دیتے۔ خراب ہجہ کو تم نے یا ہے وہ کھار، مگر آئندہ ایسی روشنی سے بچتے
رہو جو خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ میں اس راستے پر پہنچ چکا تھا کہ امام خصوص کی کتاب الحکام القرآن میں یہ دیکھ کر مجھے مزید
اطمینان حاصل ہوا کہ امام موصوف بھی اس تاویل کو کم از کم قابلِ الحافظ ضرور قرار دیتے ہیں۔ سچھر سیرت ابن ہشام میں یہ روایت نظر
سے گزری کہ جس وقت مجاہدین اسلام مال غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو کڈپکڑ کر باندھنے میں لگے ہوئے تھے انہی صلی اللہ علیہ
وسلم نے دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ کے پھر سے پر کچھ کراہت کے آثار ہیں۔ حضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے سعد، معلوم ہوتا
ہے کہ لوگوں کی یہ کارروائی نہیں پسند نہیں آ رہی ہے۔ انہوں نے عرض کیا ہے جسی ہاں یا رسول اللہ پر بلا منکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ

وَ أَنْفِسُهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ الَّذِينَ أَوْلَوْا وَ نَصَرُوا أُولَئِكَ
وَوْ وَ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ لَهُ يُهَا حُرُوا هَا
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ لَهُ يُهَا حُرُوا هَا
لَكُمْ هُنَّ وَ لَا يَرْتَهِمُونَ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَا حُرُوا وَ اِنْ

مال کھائے، اور جن لوگوں نے بھرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی دراصل اکب
دوسرے کے ولی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر بھرت کر کے (دارالاسلام میں) آنہیں گئے
تو ان سے نہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ بھرت کر کے نہ آجائیں۔ ہاں اگر وہ

نے اپنے شرک کوشکست دلوائی ہے، اس موقع پر انہیں قیدی بنا کر ان کی جانبیں بچائیں سے زیادہ بہتر پہ تھا کہ ان کو خوب کچل ڈالا جاتا
(جلد ۲۔ صفحہ ۴۸۱ - ۴۸۲)

نہیں یہ آیت اسلام کے دستوری قانون کی ایک اہم فحہ ہے۔ اس میں یہ اصول مقرر کیا گیا ہے کہ ولایت، کانٹن
صرف اُن مسلمانوں کے درمیان ہو گا جو ای تو دارالاسلام کے باشندے ہوں، یا اگر باہر سے آئیں تو بھرت کر کے آجائیں۔ باقی رہے
وہ مسلمان جو اسلامی ریاست کے حدود ارضی سے باہر ہوں، تو ان کے ساتھ مذہبی اخوت تو ضرور قائم رہے گی، لیکن «ولایت» کا
تعلق نہ ہو گا، اور اسی طرح ان مسلمانوں سے بھی یہ تعلق ولایت نہ رہے گا جو بھرت کر کے نہ آئیں بلکہ دارالکفر کی رعایا ہونے کی حیثیت
سے دارالاسلام میں آئیں یہ ولایت، کافل فقط عربی زبان میں حمایت، نصرت، مددگاری، پشتیبانی، دوستی، قرابت، سرپرستی
اوپس سے ملتے جلتے مفہومات کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور اس آیت کے سیاق و سبق میں صریح طور پر اس سے مراد نہ رہتہ
ہے جو ایک ریاست کا اپنے شہریوں سے، اور شہریوں کا اپنی ریاست سے، اور خود شہریوں کا اپس میں ہوتا ہے۔ پس یہ آیت
عد دستوری و سیاسی ولایت کو اسلامی ریاست کے ارضی حدود تک محدود کر دیتی ہے، اور ان حدود سے باہر کے مسلمانوں کو اس مخصوص
رہشتہ سے خارج فرادریتی ہے۔ اس عدم ولایت کے قانونی تابع بہت وسیع ہیں جو کی تفصیلات بیان کرنے کا بیان موقع
نہیں ہے۔ شاہ کے طور پر صرف اتنا اشارہ کافی ہو گا کہ اسی عدم ولایت کی بنابردارالکفر اور دارالاسلام کے مسلمان ایک دوسرے
کے ولاثت نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے فائدی دلیل *Guardian* نہیں بن سکتے، باہم شادی بیان نہیں کر سکتے،
اور اسلامی حکومت کسی ایسے مسلمان کو اپنے ہاں ذمہ داری کا منصب نہیں دے سکتی جس نے دارالکفر سے ثہریت کا تعلق نہ
توڑا ہو گلا وہ بیان بیان ایک اسلامی حکومت کی خارجی سیاست پر بھی بڑا اثر ڈالتی ہے۔ اس کی رو سے دولت اسلامیہ کی ذمہ داری
اُن مسلمانوں تک محدود ہے جو اس کی حدود کے اندر رہتے ہیں۔ باہر کے مسلمانوں کے لیے کسی ذمہ داری کا بار اس کے سر
نہیں ہے۔ یعنی دو ہات سے بوجنی ملی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمائی ہے کہ انابری من کل مسلمین ظہرا فی

وَ إِن تُنْصُرْ وَ كُفَّرْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ
وَ بَيْنَهُمْ مِّيقَاتٌ وَّ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ يَصْبِرُ^{٤٤} وَ الَّذِينَ كَفَرُوا

وین کے معاملہ میں تم سے مدد نہیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے، لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف
نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے دیکھتا ہے۔ جو لوگ منکر ختن ہیں

المشروعین^{۴۵} میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت و حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو۔ اس طرح
اسلامی قانون نے اس جیگڑے کی جڑ کاٹ دی ہے جو بالعموم میں الانواری پیپریوں کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی حکومت
اپنے حدود سے باہر رہنے والی بعض اقلیتوں کا ذمہ اپنے سرے لیتی ہے تو اس کی وجہ سے ایسی الجھنیں پڑ جاتی ہیں جن کو
بار بار کی لڑائیاں بھی نہیں سمجھا سکتیں۔

۱۵ اور پر کی آیت میں دارالاسلام سے باہر رہنے والے مسلمانوں کو "سیاسی ولایت" کے رشتہ سے خارج فرار دیا گیا
تھا۔ اب یہ آیت اس امر کی توضیح کرتی ہے کہ اس رشتہ سے خارج ہونے کے باوجود وہ "دینی اخوت" کے رشتہ سے خارج
نہیں ہیں۔ اگر کیوں ان پر ظلم ہو رہا ہو اسلامی برادری کے تعلق کی بنابرداری دارالاسلام کی حکومت اور اس کے یا شندوں سے مدد
نہیں میں۔ اگر کیوں ان پر ظلم ہو رہا ہو اسلامی برادری کے تعلق کی بنابرداری دارالاسلام کی حکومت اور اس کے یا شندوں سے مدد
نہیں تو ان کا فرض ہے کہ اپنے ان مظلوم بھائیوں کی مدد کریں۔ لیکن اس کے بعد مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان دینی بھائیوں
کی مدد کا فرضیہ اندر حصہ انجام نہیں دیا جائے گا بلکہ میں الانواری ذمہ داریوں اور اخلاقی حدود کا پاس دلخواہ رکھتے ہوئے ہی
انجام دیا جائے گا اگر ظلم کرنے والی قوم سے دارالاسلام کے معاہدہ تعلقات ہوں تو اس صورت میں مظلوم مسلمانوں کی کوئی ایسی
مدد نہیں کی جاسکے گی جو ان تعلقات کی اخلاقی ذمہ داریوں کے خلاف پڑتی ہو۔

آیت میں معاہدہ کے لیے "میثاق" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مادہ "وثوق" ہے جو عربی زبان کی طرح اردو زبان
میں بھروسے اور اعتماد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ میثاق ہر اس چیز کو کہیں گے جس کی بنابر کوئی قوم بطریق سحر دوت یہ اعتماد
کرنے میں حق بجانب ہو کر ہمارے اور اس کے درمیان جنگ نہیں ہے، اقطع نظر اس سے کہ ہمارا اس کے ساتھ مزدح طور پر عدم
محاربہ کا عهد و پیمانہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

پھر آیت میں بینکہ دینہم میثاق کے الغاظ ارشاد ہوئے ہیں، یعنی "تمہارے اور ان کے درمیان معاہدو
ہو۔ اس سے یہ صاف نتیجہ ہوتا ہے کہ دارالاسلام کی حکومت نے جو معاہدہ تعلقات کسی غیر مسلم حکومت سے قائم کیے ہوں وہ صرف
وہ حکومتوں کے تعلقات ہی نہیں ہیں بلکہ دونوں کے تعلقات بھی ہیں اور ان کی اخلاقی ذمہ داریوں میں مسلم حکومت کے
ساتھ مسلمان قوم اور اس کے افراد بھی شریک ہیں۔ اسلامی شریعت اس بات کو قطعاً جائز نہیں رکھتی کہ مسلم حکومت جو معاملات
کسی ملک یا قوم سے طے کرے ان کی اخلاقی ذمہ داریوں سے مسلمان قوم یا اس کے افراد سبک دوش رہیں۔ البته حکومت

وَوُدُودُ أَوْلِيَاءِ بَعْضٌ لَا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي
الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ^(۲) وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا
وَجَهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آدُوا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ
هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًا لَّهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرَحْمَةٌ كَرِيمٌ^(۳)
وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِهِ وَهَاجَرُوا وَجَهَدُوا مَعَكُمْ
فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ
فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُكْلِلُ شَيْءًا عَلَيْهِ^(۴)

وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد
برپا ہو گا۔

جو لوگ ایمان لائے اور حبوبوں نے اللہ کی راہ میں گھر بارچھوڑے اور جدوجہد کی اور حبوبوں نے
پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رہنمائی
اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور بحیرت کر کے آگئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے لگے
وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں۔ مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ خفدار
ہیں، *يَقِيْنًا اللَّهُ هُرَبَّ هَرِّيْزَ* کو جانتا ہے۔

دارالاسلام کے معاملات کی پابندیاں صرف اُن مسلمانوں پر ہی عائد ہوں گی جو اس حکومت کے دائرہ عمل میں رہتے ہوں اس
دائرے سے باہر دنیا کے باقی مسلمان کسی طرح بھی ان ذمہ داریوں میں شریک نہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں جو صلح
بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کہے کی تھی اس کی بناء پر کوئی پابندی حضرت ابو بکر صیفی اور ابو جہش اور اُن دوسرے مسلمانوں پر
عائد نہیں ہوتی جو دارالاسلام کی رعایا نہ تھے۔

۱۵۰ اس فقرے کا نتھیں اگر قریب ترین فقرے سے مانا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ جس طرح کفار ایک دوسرے کی حمایت



کرتے ہیں اگر تم اہل ایمان اُسی طرح آپس میں ایک دوسرے کی حمایت نہ کرو تو زین میں قتنہ اور فساد عظیم برپا ہو گا۔ اور اگر اس کا تعلق ان تمام پڑا بیات سے مانا جائے جو آیت ۲۷ سے یہاں تک دی گئی ہیں تو اس ارشاد کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر دارالاسلام کے مسلمان ایک دوسرے کے ولی نہ ہیں، اور اگر بھرت کر کے دارالاسلام میں نہ آئے والے اور دارالکفر میں مقیم رہنے والے مسلمانوں کو اہل دارالاسلام اپنی سیاسی دلایت سے خارج نہ کریں، اور اگر باہر کے مظلوم مسلمانوں کے مدد مانگنے پر ان کی مدد نہ کی جائے، اور اگر اس کے ساتھ ساتھ اس قاعدے کی پابندی بھی نہ کی جائے کہ جس قوم سے مسلمانوں کا معاہدہ ہوا اس کے خلاف مدد مانگنے والے مسلمانوں کی مدد نہ کی جائے گی، اور اگر مسلمان کافروں سے موالاۃ کا تعلق ختم نہ کریں، تو زین میں قتنہ اور فساد عظیم برپا ہو گا۔

سادھے مراد یہ ہے کہ اسلامی بھائی چار سے کی بنا پرہ میراث قائم نہ ہو گی اور خودہ حقوق جو نسب اور مصاہرات کے تعلق کی بنا پرہ عائد ہونے ہیں، وینی بھائیوں کو ایک دوسرے کے معاملہ میں حاصل ہوں گے۔ ان امور میں اسلامی تعلق کے بجائے رشته داری کا تعلق ہی قانونی حقوق کی بنیاد پر ہے گا۔ یہ ارشاد اس بنا پرہ فرمایا گیا ہے کہ بھرت کے بعد نبی صل اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان جو معاہدة کرائی تھی اس کی وجہ سے بعض لوگ یہ خیال کر رہے تھے کہ یہ وینی بھائی ایک دوسرے کے دارث میں ہوں گے۔